

سلسلہ اشاعت ادارہ علوم شرعیہ نمبر ۲

جملہ حقوق باضابطہ محفوظ ہیں

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ

کتاب مستطاب

قرآن و حدیث

در انخامہ

امام العلماء حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم العلوم دیوبند

بہ اہتمام

مولانا قاضی عبدالرحمن صاحب فاضل دیوبند

ادارہ علوم سنیہ کراچی

(مطبوعہ مشہور آفیسٹ لٹریچر پریس کراچی)

عرض ناشر

پیش نظر مقالہ بعنوان قرآن و حدیث کو کتاب کی صورت میں طبع کرانے کا ارادہ بعض اہل ادب اور خود صاحب مضمون کی فرمائش پر کیا گیا تھا جس کی تکمیل کی سعادت مجھے نصیب ہوئی جس وقت ہمارے ہاں دو ترجمہ و دو تفسیر والے قرآن مجید کی طباعت کا انتظام ہو رہا تھا تو خدمت قرآن کی اس ادنیٰ سعی کے ساتھ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی خدمت کا جذبہ دل میں موجزن ہوا اس وقت مناسب سمجھا کہ اس قرآن مجید کے شروع میں بطور مقدمہ ضرورت حدیث کے موضوع پر ایک مقالہ مثال کر دیا جائے جس سے مترجم یا تفسیر قرآن مجید پڑھنے والوں کو حدیث کی اہمیت بھی معلوم ہو جائے جس کے بقا قرآن کی بقا موقوف ہے اس مقالہ کے لئے بقیۃ السلف علامہ تاج محمد طیب صاحب مد فیوضہ کے نام قرعہ فال آیا جسے ممدوح نے انتہائی سعادت سمجھ کر قبول فرمایا جب یہ مضمون مکمل ہو گیا تھا لیکن دیوبند سے مجھ تک پہنچا نہیں تھا تو اس کی تکمیل کی خوشی میں حضرت مولف نے ایک خط میں اس مضمون کے متعلق اکابر دیوبند کا تاثر ان الفاظ میں ذکر فرمایا (یہاں کے حضرات اساتذہ کو سنایا تو انہوں نے بھی اس کی کافی تحسین کی اور یہ فرمایا کہ انکار حدیث کے علی الرغم اب تک اس قسم کا مضمون نظر سے نہیں گذرا) اب آپ یہ مضمون اس قرآن مجید کے شروع میں بھی پڑھ سکیں گے جس میں پہلا ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کا جو قدیم ہے قدیم نسخہ مطبوعہ ۱۲۱۳ھ سے لیا گیا ہے اور دوسرا ترجمہ مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کا ہے اور حاشیہ پر پہلی تفسیر موضح قرآن جو اسی قدیم نسخہ سے نقل کی گئی ہے اور دوسری تفسیر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی ہے اور اس مضمون کو کتاب کی صورت میں بھی حسن طباعت کے ساتھ شائع کر دیا گیا ہے دعا ہے کہ اس حقیر بندہ کی خدمت کو عام مسلمانوں اور اہل علم کی نگاہوں میں مقبولیت کی نعت عطا ہو :

نامہ ہدیہ

۲۶ ربیع الاول ۱۳۷۸ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى۔ اما بعد۔ اسلام خدا کا
آخری پیغام اور اس کے آسمان سے اترا ہوا آخری دین ہے جو قیامت تک
کے تمام انسانوں کے لئے پیغام اور دستور زندگی ہے۔ اس کے بعد نہ کوئی
دین آنے والا ہے نہ کوئی شریعت کیونکہ نبوت ختم ہو چکی اور خاتم النبیین
آچکے ہیں اس لئے خاتم الانبیاء کا دین ہی قدرتی طور پر خاتم الادیان۔ ان
کی شریعت خاتم الشرائع، اور اس شریعت کی کتاب خاتم الکتاب ہو سکتی
ہے اس لئے ضروری ہے کہ یہ دین مع اپنی بنیادوں کے قیامت تک باقی
اور محفوظ رہے ورنہ اس صورت میں کہ یہ دین اور شریعت تو باقی نہ رہے
اور جدید شریعت آنے والی نہ ہو تو دنیا سے حق کلیتہً منقطع ہو جاتا ہے۔
حالانکہ دنیا کی بقا ہی حق اور نام حق سے ہے جس دن ایک بھی اللہ اللہ کہنے
والا اس زمین پر باقی نہ رہے گا۔ اسی دن قیامت قائم کر دی جائے گی اور یہ
سارا کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا۔ اس لئے قیامت سے پہلے کوئی ساعت بھی
ایسی نہیں آسکتی کہ اس میں حق اور نام حق سرے سے باقی نہ رہے۔ سو ختم
نبوت اور خاتم الشرائع کے آجانے کے بعد جب کہ کوئی نئی شریعت

انیوالی نہیں بقا ر حق کی صورت اس کے سوا دوسری نہیں ہو سکتی کہ آخری
 دین کو قیامت تک باقی رکھا جائے۔ اور زمانہ کی دست و برد سے اُس کی حفاظت
 ہو تا کہ کسی راہ سے بھی اس میں خلل اور زلزل نہ آنے پائے۔ خواہ بلیں کر نیوالے
 کتنے بھی پیدا ہو جائیں۔ فرقے اور گروہ کتنے ہی بن جائیں تحریف و تاویل سے
 شکوک و شبہات کے دروازے کتنے بھی کھول دیئے جائیں لیکن اصل
 دین اپنی اسی اصلی شان اور اپنی پوری پوری کیفیت و حقیقت کے ساتھ
 اسی انداز سے باقی رہے جس انداز سے وہ اپنی ابتدائی زندگی میں محفوظ تھا۔
 ظاہر ہے کہ ایسی غیر معمولی حفاظت انسان اور نوع بشری کے بس کی بات
 نہ تھی انسان مجموعہ تغیرات ہے اس کا دل و دماغ اُس کی ذہنی رفتار اور طبعی
 رجحان و میلان بلکہ عقلی تقاضے ہمیشہ ایک حال پر نہیں رہ سکتے اس تغیر پذیر
 ذہنیت سے ممکن نہ تھا کہ وہ یکسانی کے ساتھ اپنے دین کو ہر دور میں یکساں
 محفوظ رکھ سکتا۔ اگر انسان ایسی لا تبدیل فطرت کا حامل ہوتا تو توراۃ و انجیل
 بے نشان کیوں ہوتیں؟ زیور کی اصلیت کیوں گم ہو جاتی؟ صحیفِ آدم اور
 صحیفِ ابراہیم دنیا سے ناپید کیوں ہو جاتے؟ اگر آخری دین کی حفاظت بھی
 مثل سابق انسانوں کے ہاتھوں میں دیدی جاتی تو اس دین کا شر بھی
 وہی ہوتا جو ادیان سابقہ کا ہوا کہ اُس کا نشان بھی باقی نہ رہتا اور انسان
 کی تغیر پذیر ذہنی رفتار اس میں بھی تغیر تبدیل کے بغیر نہ رہتی لیکن

ادیان سالفہما کو محفوظ نہ رہے اور ختم ہو گئے تو دنیا کے بقا میں اس لئے
 فرق نہ آیا کہ نبوت ختم نہ ہوئی تھی جو شریعت گم ہوئی تھی اس کی جگہ نئی
 شریعت نئی نبوت کے زیر سایہ اس کے قائم مقام ہو جاتی تھی اور دنیا سے حق
 منقطع نہ ہوتا تھا کہ فناء دنیا کی نوبت آتی لیکن ختم نبوت کے بعد اس دین کے
 گم ہو جانے سے یہ صورت ممکن نہ تھی کہ نیا دین آجائے اور دنیا فنا نہ ہو اس لئے
 اس آخری دین کی حفاظت کی ذمہ داری خود حق تعالیٰ نے لی اور یہ اہل وعدہ
 فرمایا کہ

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَاحْفَظُوْنَہُمْ ہِیَ لَیْ ذٰلِکَ اَمْرًا ہِیَ اَسْکَنْتُہُمْ ہِیَ اَسْکَنْتُہُمْ ہِیَ اَسْکَنْتُہُمْ

ظاہر ہے کہ حفاظت دین کی دو ہی
 صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ محافظ دین

حفاظت دین کی صورتیں

ایسی طاقتور شخصیتیں کھڑی کی جاتی ہیں جن کا طبعی ذوق اور ذاتی میلان ہی دین
 کا تحفظ ہو اور وہ عقیدہ و عمل کی سرحدات کو اپنی فکری و عملی قوتوں سے
 اس حد تک مضبوط کرنے کی فکر میں لگی رہیں کہ اس میں کسی ادنیٰ تغیر و تبدل یا
 خلل کے تصور کو بھی برداشت نہ کر سکیں۔

دوسری صورت یہ ہے
 ہر صدی کے شروع میں مجدد کی آمد

ایسا فطری ہو کہ اس میں خود اپنے بقا و تحفظ کی ذاتی اسپرٹ ہو اور اس حد تک

ہو کہ اس کی طبیعت ہی کسی تغیر و تبدل اور کمی بیشی کو برداشت نہ کر سکے بلکہ اسکی
 مضبوط ترین حجتہ و برہان اپنے فطری تموار طبعی قوت ہی سے ہر تغیر کے خطرہ کو
 دفع کرتی رہے جس سے اسکے آمنے سامنے اور دائیں بائیں کسی باطل کی پہنچ ہی
 ناممکن ہو۔ سو اس دین کی حفاظت کے لئے دونوں صورتیں اختیار کی گئیں پہلی
 صورت یعنی سرتاپا دین اور مجسم اسلام قسم کی شخصیتیں ہر ایسے دور میں مختلف
 اندازوں اور عنوانوں سے پیدا کی جاتی رہیں کہ جن میں دین اور اجزاء دین کے
 خطرہ میں پڑ جانے کا کوئی امکان دیکھا گیا۔ مثلاً انسانی ذہنیت سو برس کے
 دور میں طبعاً متغیر ہو جاتی ہے کیونکہ سو برس میں ایک قرن ختم ہو کر دوسرے
 قرن کے لئے جگہ خالی کرتا ہے اور ایک نسل پوری کی پوری ختم ہو کر دنیا کو دوسری
 نسل کے ہاتھ میں چھوڑ جاتی ہے جسکی ذہنیت یقیناً وہ نہیں رہتی جو سو برس
 پہلے کے لوگوں کی تھی انسان کے ذہنی ارتقاء کے تحت ذہن بدل جاتا ہے
 نظریات تبدیل ہو جاتے ہیں، نئے ترقی یافتہ نظریات سامنے آ جاتے ہیں، تمدنی
 رجحانات پہلے سے نہیں رہتے، طرز زندگی میں نمایاں تبدیلیاں ہوتی ہیں
 اور گویا یہ انسان وہ نہیں رہتا جو سو برس پہلے کا انسان تھا اس لئے ہر قرن کے
 آغاز میں دین کے لئے یہ خطرہ قدرتی تھا کہ نئے انسانوں کی ذہنی تبدیلیاں اسے
 بدل نہ ڈالیں اور اس کے سابقہ رنگ کو پھیکا کر کے اس پر کوئی نیا رنگ نہ
 چڑھاویں جس سے اس کا اصلی اور قدیم رنگ ناقابل التفات ہو جائے

اس لئے ہر صدی کے سرے پر اسلام میں مجددوں کا وعدہ دیا گیا جو دین کو ان نئے انسانوں کی ذہنیت کی رعایت رکھتے ہوئے نوبہ نوا اور تازہ بہ تازہ کرتے رہیں اور اس کے اصول و فروع کو نکھار کر اس طرح سامنے لائیں کہ نئے نئے شکوک و شبہات کا قلع قمع بھی ہو جائے اور قدیم مسائل جدید دلائل کے ساتھ اور زیادہ روشن اور صاف ہو کر نئے قرن کے سامنے آجائیں۔

ان الله يبعث في هذه الامم على راس كل مائة سنة من يجدد لها دينها۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے شروع میں ایسے لوگ پیدا فرماتا ہے گا جو نئے (مشکوٰۃ شریف) کیلئے دین کو تازہ بہ تازہ اور نوبہ نو کرتے رہیں۔

لیکن اس کے بعد یہ اندیشہ
دین کے معیار کی زندہ جماعتیں
 صدی کے اندر اندر بھی باقی

صد ہوتا تھا کہ اشرار و فجار اور ملحدین و منافقین اسلام کے نام سے اسلام کا حلیہ تبدیل کر دیں اور اسلام میں شکوک و شبہات پیدا کر کے اسے صحیح العقیدہ لوگوں کے لئے مشتبہ بنانے کی کوشش کریں۔ لوگ تو مجدد کے انتظار ہی میں رہیں اور یہ شر پسند اور کج فہم گروہ رکیک تاویلات اور غلو آمیز کادشوں سے دین میں زندقہ الحاد پھیلانے میں کامیاب ہو جائے جس سے دین کے بنے بنائے نظام میں خلل پڑ جائے اور اس طرح دین سے دنیا کا اعتماد اٹھ جائے تو صدی کے سرے کی قید چھوڑ کر صدی کے اندر اندر بھی سلف صالحین کے

اخلافِ رشید پیدا کرتے رہنے کا وعدہ دیا گیا۔ اور اطمینان دلایا گیا کہ امت پر صدی کے اندرونی حصے اور درمیانی دور میں بھی کوئی وقت ایسا نہ آئے گا کہ امت کو سلف کے نمونہ کے خلف نہ مل سکیں؛ نہیں بلکہ ضرور ملیں گے جو اپنے صحیح علم و نظر اور نکھری ہوئی شرعی حجّتوں سے انساں نمائشیا طین کی دوسرے اندازوں اور دوسرے کاریوں کا پول کھولتے رہیں گے اور دین پر کسی ہنج سے بھی آخ نہ آنے دیں گے
ارشادِ نبوی ہے

يَجْعَلُ هَذَا الْعِلْمُ مِنْ كُلِّ خَلْفٍ عَدُوًّا (سلف کے بعد اخلاف میں سے ایسے معتدل لوگ

یہ ہوں جنہ تعریف الغالین و انتحال ہمیشہ اس علم (دین) کے حامل ہوتے رہیں گے

المبطلین و قواہل الجاہلین۔ جو غلورہ لوگوں کی ترقیوں اور باطل پرستوں

(مشکوٰۃ شریف) کی دروغ بائیوں اور تلبیسوں اور جاہلوں کی ریک

تاویلوں کا پردہ چاک کرتے رہیں گے (اور ان

خرافات کی نفی کرتے رہیں گے)

لیکن پھر سلف و خلف میں بھی بہر حال کچھ نہ کچھ فصل اور وقفہ ضرور

ہوتا ہے۔ سلف کے بعد خلف کو بنتے ہوئے بھی بہر حال کچھ نہ کچھ دیر ضرور لگتی

ہے اندیشہ تھا کہ سلف کے اُٹھنے پر جبکہ خلف ابھی حد تکمیل کو نہ پہنچے ہوں

باطل پرست میدانِ خالی دیکھ کر آدھمکیں اور وقت سے ناجائز قائدہ اٹھاتے

ہوئے اپنا ابلیسی کام کر گزریں جس سے امت میں ذہنی انتشار اور تشویش

راہ پا جائے اور دین رخصت ہونے لگے تو امت کو اطمینان دلانے کے لئے
 یہ وعدہ بھی کیا گیا کہ کوئی بھی ساعت اور وقفہ امت پر ایسا نہ گذرے گا کہ اس
 میں ہمہ وقت کوئی طائفہ حقہ موجود نہ رہے جو مؤید من اللہ اور منصور بجانب
 اللہ ہو یعنی امت مرحومہ کو ہرگز پریشان نہ ہونا چاہیے ولا وارثی امت نہیں
 زندہ نبی کی امت اور زندہ شریعت کی پیروی ہے جس میں دین کے معیار
 کی زندہ جماعتیں ہمیشہ برقرار رہیں گی۔ فرمایا گیا

عن معاوية قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا ینال من امتی امت قائمتہ یا صلی اللہ لا یضرہم من خذ لہم دولا من خالفہم حتی یاتی امر اللہ صمد علی ذلک۔ (بخاری مسلم)

معاویہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ امر حق پر قائم رہے گی نہ ان کو کسی کار صواب اگر بنا رہا ہو اس کے کا اور نہ کسی کا فلاح انہیں نقصان پہنچا سکے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے اور وہ اسی حالت پر مستقیم ہوں گے۔

دین کی نافعیت اُمت کے تمام قرون میں

ہو کہ نایلوں کے گزرنے سے گودین باقی رہے لیکن اس کی وہ کیفیت اور رسوخ کی شان نہ رہے جو سلف میں تھی تو دین کی صورت ہی صورت باقی رہ جاگی جس میں حقیقت نہ ہوگی تو ایسے بے حقیقت دین کا ہونا نہ ہونا برابر ہوگا۔

اس لئے اس کا بھی اطمینان دلایا گیا کہ اُمت کی خیریت کسی خاص دور کے طبقہ کیساتھ مخصوص نہیں خواہ وہ اقل کا ہو یا آخر کا بلکہ دین کی خوبی و خوبصورتی وہی اگل کیفیت و حقیقت اور وہی اصلی خیر و برکت ہر دور میں قائم رہیگی چنانچہ بشارت دی گئی کہ

البشر والبشر وانما مثل امتی مثل بشارت حاصل کرو اور خوشخبری لو کہ میری امت
التیث لا یدری آخرۃ خیرا من اولہ الخ کی مثال بارش کی سی ہے نہیں جاتا جاسکتا
کہ اس کا اول قطرہ زمین کے لئے زیادہ نافع تھا
یا آخر کا

یعنی خیریت اور نافعیت اُمت کے تمام قرون میں پھیلی ہوئی ہے
درجات و مراتب کا فرق ضرور ہو گا مگر اصل خیر ہر مرحلہ پر بدستور قائم رہیگی
بہر حال ہر صدی کے سرے پر صدی کے اندر اور ہر صدی کی ہر ساعت
میں ایسی شخصیتوں کے وجود و بقا کی خبریں اور وعدے لسان نبوت پر
دیئے گئے ہیں جو دین کی حفاظت و صیانت کیلئے جارحہ حق اور وسائل الہی
ثابت ہوں گی جس سے دین اپنی اصلی صورت و حقیقت اور کیفیت و ملکیت
کے ساتھ تا قیام قیامت باقی اور محفوظ رہے گا اور کوئی وقف بھی ہر مستحکم
پر انقطاع حق کا نہیں گذرے گا۔

دین کی دو اصلیں | مگر یہ ظاہر ہے کہ دین کی یہ حفاظت بیرونی

اور خارجی وسائل سے متعلق ہے ذاتی حفاظت یہ ہے کہ خود دین اپنی ساخت پر راحت اور وضع کے لحاظ سے امنٹ اور بذات خود محفوظ رہنے کی اسپرٹ اپنے اندر رکھتا ہو اسلامی شریعت اپنے اصول و مہانی اور دلائل و براہین کے لحاظ سے بذات خود بھی من جانب اللہ محفوظ و امنٹ ہے جس میں کسی رخنہ اندازی کی گنجائش نہیں یعنی حفاظت دین کی دوسری صورت بھی اختیار کی گئی کہ خود اسکی ذاتی حجت کو امنٹ بنایا گیا اور اس طرح کہ اس دین کی دو ہی اصلیں ہیں جو مصدر شریعت اور دین کا سرچشمہ ہیں، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ اس دین کی دو اصلیں اور بھی ہیں جن کا نام اجماع اور قیاس ہے جو بلاشبہ واجب الطاعت ہیں چنانچہ قرآن حکیم نے امت پر تین ہی اطاعتیں فرض بھی فرمائی ہیں۔ اطاعت خدا اطاعت رسول اور اطاعت اولی الامر یعنی راسخین فی العلم کے اجتہادی نظام کی اطاعت یا اس قسم کے ہم قرن اہل رسوخ کی اجماع کردہ شئی کی اطاعت جو یقیناً حجت شرعی ہے لیکن یہ قیاس اور اجماع کی دونوں اصلیں باوجود حجت شرعیہ ہونیکے تشریعی نہیں بلکہ تفریعی ہیں جو مستقل بالحدیث نہیں جب تک کہ ان کا رجوع کتاب و سنت کی طرف نہ ہو کیونکہ بالجمع علیہ (جس پر اجماع کیا جائے) وہی معتبر ہو سکتا ہے جس پر پہلے سے کوئی دلیل کتاب و سنت سے قائم ہو ورنہ مجرد میل اور محض ہوائی سے کسی چیز پر جمع ہو جانا اجماع نہیں درحالیکہ

انت میں ایسا اجماع جو گمراہی پر ہو ہو بھی نہیں سکتا اسی طرح قیاس کی مقیاس
 (یعنی قیاسی جزیہ) وہی معتبر ہو سکتا ہے جس کا مقیاس علیہ (جس پر قیاس کیا جائے)
 کتاب و سنت میں موجود ہو اور اس مقیاس اور مقیاس علیہ میں کوئی رشتہ
 جامعیت بھی ہو جو منصوص کے حکم کو غیر منصوص میں منتقل کر دے پس ان کی
 تشریحی حیثیت خود اصل نہیں بلکہ کتاب و سنت کے تابع ہے اس لئے دین کی مستقل
 حجت اور تشریحی اصلیں دو ہی رہ جاتی ہیں ایک کتاب اللہ دوسرے سنت
 رسول اللہ کو بعض علماء نے ایک تیسری چیز اجتہاد نبوت کو بھی مستقل حجت
 اور مصدر احکام کہلا ہے لیکن وہ بھی مستقل بالحدیث نہیں کیونکہ جب کوئی حکم
 منصوص نازل ہوتا اور بعد انتظار آپ اجتہاد فرماتے تو در صورت جواب بذریعہ
 وحی یا سکوت رضا آپ کو اس پر مستقر کر دیا جاتا جو حکم میں سنت کے ہو جاتا اور نہ علی
 الفور تنبیہ کر کے اس سے ہٹا دیا جاتا تھا اس لئے اس کا مرجع بھی بالآخر وحی
 ہی نکلی منلو ہو یا غیر منلو یعنی کتاب اللہ یا سنت نبوی۔ اس لئے مستقل حجتیں ہی
 دو رہتی ہیں کتاب اور سنت اور جب کہ یہی دو اصلیں تشریحی تھیں جو آخر
 کی دو تفریحی اصولوں سے بالاتر بلکہ ان کی اساس تھیں تو قرآن کریم نے جس طرح
 چاروں اصولوں کو وجوب اطاعت میں جمع فرمایا تھا جس کی طرف ابھی اشارہ گذرا
 اسی طرح اکثر مواقع پر صرف ان دو اصولوں کو وجوب اتباع میں جمع فرمایا ہے
 گویا نفس حجیت میں قرآن وحید کو مساوی اور متوازی شمار کیا ہے۔

ارشادِ ربّانی ہے۔

یا ایہا الذین آمنوا طیعوا اللہ واطیعوا
لئے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت

الرسول ولا تبطلوا اعمالکم
کرو رسول کی اور اپنے عمل کو باطل مت کرو

اور کہیں فرمایا :-

واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واحذروا
اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول

کی اور ڈرتے رہو۔

کہیں ارشاد ہوا :-

یا ایہا الذین آمنوا استجبوا للہ
اے ایمان والو اجابت کرو اللہ کے حکم کی اور

واللرسول اذا دعاکم
رسول کے حکم کی جب کہ وہ تمہیں بلائیں۔

کہیں فرمایا :-

وما کان لمومن ولا مؤمنة ان ترضی
اور کسی مومن اور مومنہ کے لئے اختیار نہیں

اللہ ورسولہ امر ان ینکون لہم
رہتا (کہ انہیں یا نہ مانیں) جب اللہ و رسول کی

الخیرۃ من امرہم
طرت سے کسی امر میں حکم آجائے۔

ان آیات سے کلامِ خدا اور کلامِ رسول کا مستقلاً حجت شرعیہ

ہونا واضح ہے جو حجتِ قرآن کے ساتھ ساتھ حجیتِ حدیث کی بھی روشن

دلیل ہے لیکن پھر ان دونوں اصولوں میں باوجود دونوں کے حجتِ مستقلہ

ہونے کے باہم ایک فرق بھی ہے اور وہ یہ کہ کتابِ حجۃ قاطع ہے اور حدیث

سوائے متواتر کے حجتِ ظنی ہے کیونکہ حدیث غیر متواتر کا ثبوت اس

درجہ کا نہیں جس درجہ کا قرآن حکیم ہے۔ اس لئے جو درجہ ان کے ثبوت کا ہے وہی درجہ ان کی حجت کا بھی ہے۔

رسول نور مطلق اور ظلمت محض
میں واسطہ وصول ہے

نیز قرآن حکیم اصل
کلی ہے اور حدیث اس
کا بیان ہے جس کے
بغیر قرآن حکیم کے

مضمرات اور مرادات کا انکشاف دستور بلکہ عاۃً ناممکن ہے کیونکہ قرآن
کریم اسلام کا صرف بنیادی قانون اور دستور اساسی ہی نہیں بلکہ معجزہ
بھی ہے جو اپنے لفظ و معنی اور تعبیر و مفہوم دونوں ہی کے لحاظ سے اعجازی
شان رکھتا ہے نہ الفاظ کی ترکیب اور جوڑ بند اور انداز بیان ہی میں اس کا
مثل لایا جاتا مخلوق سے ممکن ہے اور نہ صداقت و احکام کی جامعیت
علوم و معارف کی گہرائی اور مضامین کی ہمہ گیری ہی میں اس کی نظیر
بنا لیا جانا ممکن ہے چنانچہ اس کی تعبیر نے دنیا کو تھکا دیا کہ وہ اس کے چیلنجوں
کے باوجود اس کا مثل نہ لاسکی ایسے ہی اس کی معنوی وسعتوں اور ہمہ گیر
گہرائیوں نے بھی دنیا کو عاجز کر دیا کہ وہ اس جیسی جامع علوم و معارف اور
حادثی احکام و اصول کتاب یا اس کے کسی جز و حصہ کوئی جز و لاسکے جسکی
یک ایک تہ اور شکن میں صد با علوم کے دریا کھپے پڑے ہیں جو تیرہ صدیوں

سے مسلسل نکلتے چلے آ رہے ہیں اور ہنوز ان کی تیاہ کا پتہ نہیں۔

حرفِ حرفش راست اندر معنی

معنی در معنی در معنی

ظاہر ہے کہ اتنے بے شمار اور لفظ لفظ میں سمجھتے ہوئے علوم و معارف کا اس میں سے نکال لانا بھی عامۂ خلایق کے فہم سے بالاتر تھا ورنہ اگر بشریت کا دماغ اور فہم اتنا جامع اتنا ہمہ گیر اور اتنا وسیع و عمیق ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ ان سے ایسے کلام کے بنالینے یا کسی نہ کسی حد تک اس کے مثل لے آنے کی توقع نہ کی جاسکتی اور یہ بالکل ہی ناممکن ہوتا۔ آخر قرآن جیسا کلام جن دانش ملک اس لئے تو نہیں لاسکتے کہ ان کے ذہن و ذکر فہم و عقل اور علم و ادراک میں وہ لا متحدیدی اور ہمہ گیری نہیں جو ایسے اعجازی کلام کے لئے ضرور ہے اس لئے اس تنگی فہم اس محدودیت ذہن اور قلیل و علیل عالم میں یہ سکت نہیں کہ وہ قرآن جیسا وسیع و عمیق اور معجزانہ کلام صادر کر سکے سو وہی تنگی فہم اور محدودیت ذہن و فکر یہاں بھی موجود ہے جو اس معجز کلام کے تمام مشمولات کے سمجھنے میں اپنے عجز و درماندگی کو نہیں چھپا سکتی اور اس میں یہ گنجائش نہیں نکل سکتی کہ وہ قرآن کے معجزانہ اصولی اور کلی جملوں سے نکلتے ہوئے دقائق و حقائق کا ادراک اور کئی کئی معانی اور وجوہ میں سے مراد اور غیر مراد کا تعین محض اپنے فہم کے بل بوتہ پر بلا کسی

رہنمائی کے از خود کر سکے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے اپنے مطالب و مرادات کے بیان کی ذمہ داری خود لیکر اس بارہ میں اپنے رسول کو اپنا ترجمان بنا کر بھیجا۔ اس حقیقت کو ان الفاظ میں بھی لایا جاسکتا ہے کہ جس طرح حق تعالیٰ کی ذات لا محدود ہے اسی طرح اُس کی صفات کمال بھی لا محدود ہیں۔ اور ہر بندہ اپنے ظاہر و باطن جسم و روح قلب و دماغ فکر و فہم اور عقل و فراست سب کے لحاظ سے محدود اور متناہی ہے۔ اس لئے یہ کسی چیز کا اور اک بغیر تحدیدات تعینات اور تشخیصات کے نہیں کر سکتا اور اس کے لئے کسی طرح ممکن نہیں کہ وہ محدود رہتے ہوئے لا محدود ذات و صفات تک رسائی پائے یا اس کا اور اک و معرفت کرے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے اپنے اور بندوں کے درمیان بندوں ہی میں ایک برزخ اور درمیانی طبقہ پیدا فرمایا جو اپنے مخصوص کمال اور مافوق العادت احوال کے لحاظ سے تو ذات حق سے قریب تر اور اس کے کمالات کا نمونہ ہوتا ہے اور اپنے تعینات کے لحاظ سے بندوں میں شامل اور کمال بشریت کا نمونہ ہوتا ہے۔ ع۔

ادھر اللہ سے واصل اور مخلوق میں شامل

یہی طبقہ انبیاء علیہم السلام کی مقدس جماعت ہے جو نور مطلق اور انسان جیسے ظلمت محض میں واسطہ وصول و قبول ہے پس جب کہ کمالات ربانی کے نمونے نبی کی ذات قدسی صفات میں ظہور کرتے ہیں تو بندوں کے لئے سہل

ہو جاتا ہے کہ اس سے وابستہ ہو کر جس سے وابستگی بوجہ مخلوقیت کے اشتراک کے ممکن ہوتی ہے (حسب استعداد خدا تک رسائی پالیں ورنہ بغیر اس کے کمالات خداوندی کے مشخص اور متعین ہو کر سامنے آنے اور مخلوق کے اُن سے وابستہ ہونے کی کوئی صورت نہیں۔

اسی کے ساتھ یہ
حقیقت بھی غور
کرنے کے قابل ہے
کہ پیغمبر کی زبان سے

کلام خداوندی تک بلا کلام رسول
فہم کی رسائی ناممکن ہے

ہر کلام ہدایت کسی نہ کسی کیفیت سے صادر ہوتا ہے یہ کیفیات ظاہر ہے کہ انسانی نہیں ہوتیں جو ہر کس دنیا کس پر طاری ہو سکتی ہیں بلکہ روحانی جلوہ جمانی ہوتی ہیں اس لئے وہ کلام در حقیقت اسی متعلقہ کیفیت میں ڈوبا ہوا اسی سے سرزد ہوتا ہے اور اُسی کا منظر ہوتا ہے گویا وہ کیفیت، قیام الفاظ کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے پھر اس کیفیت سے یہ کلام چل کر اُسی کیفیت کی طرف لوٹتا بھی ہے جس سے یہ کیفیت قلب میں اور زیادہ مستحکم ہو کر جڑیں پکڑتی ہے گویا اس کلام کے اول و آخر روحانی اور روحانی کیفیت چھائی رہتی ہے غور کیا جائے تو اس کلام کی مراد در حقیقت اسی کیفیت میں چھپی رہتی ہے کیونکہ کلام کسی نہ کسی مقصد کے لئے کیا جاتا ہے اور مقصد

رہنمائی کے از خود کر سکے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے اپنے مطالب و مرادات کے بیان کی ذمہ داری خود لے کر اس بارہ میں اپنے رسول کو اپنا ترجمان بنا کر بھیجا۔ اس حقیقت کو ان الفاظ میں بھی لایا جاسکتا ہے کہ جس طرح حق تعالیٰ کی ذات لا محدود ہے اسی طرح اُس کی صفات کمال بھی لا محدود ہیں۔ اور ہر بندہ اپنے ظاہر و باطن جسم و روح قلب و دماغ فکر و فہم اور عقل و فراست سب کے لحاظ سے محدود اور متناہی ہے۔ اس لئے یہ کسی چیز کا ادراک بغیر تحدیدات تعینات اور تشخیصات کے نہیں کر سکتا اور اس کے لئے کسی طرح ممکن نہیں کہ وہ محدود رہتے ہوئے لا محدود ذات و صفات تک رسائی پائے یا اس کا ادراک و معرفت کرے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے اپنے اور بندوں کے درمیان بندوں ہی میں ایک برزخ اور درمیانی طبقہ پیدا فرمایا جو اپنے مخصوص کمال اور مافوق العادت احوال کے لحاظ سے تو ذات حق سے قریب تر اور اس کے کمالات کا نمونہ ہوتا ہے اور اپنے تعینات کے لحاظ سے بندوں میں شامل اور کمال بشریت کا نمونہ ہوتا ہے۔ ع۔

ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل

یہی طبقہ انبیاء علیہم السلام کی مقدس جماعت ہے جو نور مطلق اور انسان جیسے ظلمت محض میں واسطہ وصول و قبول ہے پس جب کہ کمالات ربانی کے نمونے نبی کی ذات قدسی صفات میں ظہور کرتے ہیں تو بندوں کے لئے سہل

ہو جاتا ہے کہ اس سے وابستہ ہو کر جس سے وابستگی بوجہ مخلوقیت کے اشتراک کے ممکن ہوتی ہے (حسب استعداد خدا تک رسائی پالیں ورنہ بغیر اس کے کمالات خداوندی کے متعین ہو کر سامنے آنے اور مخلوق کے اُن سے وابستہ ہونے کی کوئی صورت نہیں۔

اسی کے ساتھ یہ
حقیقت بھی غور
کرنے کے قابل ہے
کہ پیغمبر کی زبان سے

کَلَامُ خُداوندی تک بلا کلام رسول
فہم کی رسائی ناممکن ہے

ہر کلام ہدایت کسی نہ کسی کیفیت سے صادر ہوتا ہے یہ کیفیات ظاہر ہے کہ نفسانی نہیں ہوتیں جو ہر کس دنیا کس پر طاری ہو سکتی ہیں بلکہ روحانی اور جہانی ہوتی ہیں اس لئے وہ کلام درحقیقت اسی متعلقہ کیفیت میں ڈوبا ہوا اسی سے سرزد ہوتا ہے اور اُسی کا منظر ہوتا ہے گویا وہ کیفیت، حق الفاظ کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے پھر اس کیفیت سے یہ کلام چل کر اُسی کیفیت کی طرف لوٹتا بھی ہے جس سے یہ کیفیت قلب میں اور زیادہ مستحکم ہو کر جڑیں پکڑتی ہے گویا اس کلام کے اول و آخر روحانی اور روحانی کیفیت چھائی رہتی ہے غور کیا جائے تو اس کلام کی مراد درحقیقت اسی کیفیت میں چھپی رہتی ہے کیونکہ کلام کسی نہ کسی مقصد کے لئے کیا جاتا ہے اور مقصد

کسی نہ کسی باطنی کیفیت کا مقتضا ہوتا ہے اس لئے قدرتی طور پر کلام کی صحیح مراد کو وہی پاسکتا ہے جو کسی نہ کسی حد تک اس کیفیت سے آشنا اور اس سے ہم آہنگ ہو عاشق کی مراد کو عشق آشنا ہی پوری طرح جان سکتا ہے عالم کی مراد کو علم آشنا ہی سمجھ سکتا ہے صنائع کی مراد کو صنعت آشنا ہی پوری طرح پاسکتا ہے اس لئے کلام رب کو رب آشنا ہی کسی نہ کسی حد تک پاسکتا ہے جو ربانی کیفیات سے کسی حد تک مانوس ہو ورنہ بے کیف اور نا آشنا ممکن ہے کہ کلام کے لغوی مفہوم اور معنی اول تک پہنچ جائے لیکن متکلم کے صحیح منشاء و مراد تک اس کیفیت سے مانوس ہونے بغیر پہنچنا عادت کے خلاف ہے چہ جائیکہ وہ لوگ جو ان کیفیات کی مُضاد اور ضد کیفیات سے مانوس اور ان میں غرق ہوں تو عادتاً وہ مراد کو سمجھانے سے بھی پوری طرح نہیں سمجھ سکتے جس سے اور اک مراد کا حق ادا ہو جائے اور اگر اتفاقاً وہ الفاظ کی مدد سے کسی حد تک مراد حق پر مطلع ہو بھی جائیں تو اس کیفیت کے بغیر اس میں مبصر نہیں بن سکتے جس سے اس کی مخفی حقائق ان پر کھل سکیں اور ان حقائق میں مضمر شدہ احوال ان پر طاری ہو سکیں جن سے حقیقی معرفت کا دروازہ کھلتا ہے اور آدمی مبصر بن جاتا ہے ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی صفات اور ان میں بھی بالخصوص

صفت علم اور خاص خصوص صفت کلام جو اس کے علوم کی ترجمان اور معبر ہے اور اس کا منظر اتم قرآن حکیم اپنی اصولیت کلیت کمال جامعیت اور ان شیون الہیہ سے بھرپور ہونے کی وجہ سے جن سے یہ کلام سرزد ہوا ہے ذات ہی کی طرح لا محدود الحقائق لا محدود المعارف اور لا محدود المطالب ہے جو ایک نوع نہیں بلکہ ماضی و مستقبل اور حال کی ہزار ہا انواع علوم پر حاوی اور شامل ہے۔

فیه نبأ ما قبلکم وخبر ما بعدکم اس میں تم سے پہلوں کی باتیں ہیں اور پچھلوں و حکم ما بینکم هو الفصل لیس کی خبریں ہیں اور درمیانی حال کے احکام بالہزل ہیں وہ یقینی چیز ہے مذاق نہیں۔

من ترک من جبار قصدا لله من جس منکر نے اسے چھوٹا اس کی گردن خدائے ابتغی الهدی فی غیرہ اضلہ اللہ تو رومی اور جس نے ہدایت اس کے سوا میں وهو جبل اللہ المتین وهو الذکر ڈھونڈی اس کو خدائے گمراہ کر دیا وہ اللہ کی الحکیم وهو الصراط المستقیم مضبوط رسی ہے وہ حکیمانہ یادداشت ہے وہ وهو الذی لا ترغیب بہ الا ہواء سیدھا راستہ ہے وہ وہ چیز ہے کہ امری ولا تلیس بہ الا لسنة ولا سے دلوں کے میلانات ٹیڑھے نہیں ہوتے اور تشیع منه العلماء ولا یخلق عن زبانیں مشتبہ نہیں ہوتیں اور اس سے علماء

کثرة الرد ولا تنقضی عجائبہ و کبھی سیر نہیں ہوتے وہ کثرت تلاوت سے
 هو الذی لم تنسہ الجن اذ سمعہ پرانا نہیں پڑتا اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں
 حتی قالوا انا سمعنا قرآنا عجبا یدیہم یسکتے وہی ہے کہ جب جنات حبشی سرکش
 الی اللہ شد فامنا بہ من قال بہ قوم نے اُسے سنا تو سرکشی سے اک دم
 صدق ومن عمل بہ اجر ومن حکم رک گئے اور یہی کہتے بن پڑا کہ ہم نے عجیب
 بہ عدل ومن دعا الیہ ہدی الی کلام سنا ہے جو بزرگی کی طرف لیجاتا ہے
 صراط مستقیم خذ ہا الیک یا احو ہم تو اس پر ایمان لے آئے حقیقت یہ ہے
 (ترمذی عن حارث الاعور) کہ جو اسے زبان پر لایا اس نے پسچ کہا

جس نے اس پر عمل کیا اسے اجر ملا جس
 نے اس کے ساتھ حکم کیا اس نے الفان کیا
 اور جس نے اس کی طرف بلایا اسے سیدھے
 سچے راستہ کی ہدایت ہوئی۔ سو اسے
 اُور اسے مضبوط مقام لے۔

اتنا جامع اتنا ہمہ گیر اتنا وسیع العلم کلام جو ماضی کی خبروں مستقبل
 کی اطلاعوں اور حال کے احکام کو سمیٹتے ہوئے جس کا بولنا سچائی ہو
 عمل اجر ہو حکم عدل ہو دعوت ہدایت ہو اور جس کے عملی عجائبات کی
 کوئی حد و نہایت نہ ہو علماء کا کبھی اس سے پیٹ نہ بھرے

جسکی تعبیرات اصولیت و کلیت کی انتہا پر پہنچی ہوئی ہوں جن کے لفظ
لفظ سے حقائق و معارف ٹپکے پڑ رہے ہوں جس کی تعبیر ایسی
حکیمانہ ہو کہ اس کی عبارت سے الگ الگ علوم و احکام نکلیں اور
اس کی دلالت اشارت سے الگ معارف الہیہ پیدا ہوں اور
اقتضار سے الگ پھر اس کی آیات بنیات علاوہ محکم اور ظاہر و صریح
آیات کے باطنی اسرار کی آیات الگ ہوں جو اس کی نوع بنوع
اعجازی فصاحت و بلاغت کی غمازی کر رہی ہوں کوئی آیت خفی
ہے کوئی مجمل کوئی مشکل ہے اور کوئی کنایہ پھر ان ظواہر و بواطن
کیساتھ باطنی کیفیات اور دقائق نفس پر الگ مشتمل ہوں اور
نفسیات پر الگ دیانات پر الگ اور سیاسیات پر الگ سو ایسے
محیر العقول اور اعجازی کلام سے معافی نکالنا مطالب اخذ کرنا
اور شیون روحانیت سے آشنا بن کر مراد خداوندی کو غیر
مراد سے تمیز کر کے سمجھنا ظاہر ہے کہ بلا خدائی رہنمائی کے ممکن
نہ تھا اور اس کے سوا اور کوئی صورت نہ تھی کہ کوئی ایسا کلام
اس کی تفہیم کا واسطہ بنے جس کا متکلم تو ہم قریشوں میں سے
ہو لیکن اپنے قلب صافی اور دماغ عالی کی جہت سے عرشوں
میں سے ہو وہ اس کلام سے متعلقہ شیون الہیہ کے عکس و

ظلال سے بھر پور ہوان کیفیات سے پوری طرح آشنا اور ان کے
 رنگ میں رنگا ہوا ہو جن سے یہ کلام حق نکلا اس تک پہنچا ہے
 ساتھ ہی موبدین اللہ ہو اور خدا نے ہی اُسے اپنی مراد سمجھائی
 ہوئی اور وہی اس کے ظاہر و باطن کی تربیت فرما کر اس کے
 دل و دماغ کو اپنے اس معجز کلام سے ہم آہنگ بنائے ہوئے ہو
 جس سے وہ ان جامع مطالب کی تشخیص و تعین کر کے انہیں
 ہمارے محدود فہموں کے قریب کر دے ظاہر ہے کہ وہ کلام خدا ہی
 کے رسول کا کلام ہو سکتا تھا جس نے اولاً خود کلام الہی کو اللہ سے
 سنا اور اس کی رہنمائی سے سمجھا اور اسی ذوق و کیفیت سے اپنے
 مخاطبوں کو سمجھایا اس لئے حق تعالیٰ نے اپنے کلام کے ساتھ
 رسول اور کلام رسول اتارا تاکہ تلاوت آیات کے بعد تسلیم
 و تربیت کے ذریعہ جو عادتاً کلام اور انہام و تفہیم ہی سے
 ممکن ہے ان کیفیات میں ڈوبے ہوئے معانی کو قلوب سے
 قریب کیا جائے جس کی صورت عادتاً ہی ہو سکتی تھی کہ لب و لہجہ
 ہنیت کذائی سے ماحول کے عرفی مقتضیات سے، اور ساتھ ہی
 بتوسط الفاظ قلبی تاثیر و تصرف سے اس مراد کو نفوس میں اتارا
 جائے اور نہ صرف اتارا ہی جائے بلکہ دلوں کو ان مراد ہی کیفیات

سے اتنا ہم آہنگ کر دیا جائے کہ مراد حق دلوں میں اتر اتر کر عیسر ملو
 کے تصور کی بھی نفس میں گنجائش باقی نہ رہے۔ نظر بوجہ بالا کہا
 جاسکتا ہے کہ جس طرح ذات خداوندی تک بلا رسول کے واسطہ کے
 ہماری رسائی ناممکن تھی اسی طرح کلام خداوندی تک بلا کلام رسول
 ہمارے فہموں کی رسائی ناممکن تھی۔

جس طرح حق تعالیٰ نے اپنا
 قانون اور کلام خود ہی اتارنے
 کا ذمہ لیا کہ مخلوق خود ویسا
 جامع اور اٹل قانون بنائے

کلام مجید کے نزول اور شرح و بیان کی ذمہ داری

پر قادر نہ تھی اسی طرح اس کے شرح و بیان کی ذمہ داری بھی حق
 تعالیٰ نے خود ہی لی کہ مخلوق بلا تلافی اس کے ضمائے اور تخفیات و
 مرادات کو از خود پالینے پر قادر نہیں ہو سکتی تھی چنانچہ نزول وحی کے
 وقت اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی الہی کے الفاظ کو یاد رکھنے
 کے لئے بار بار زبان سے رٹتے اور تکرار فرماتے تاکہ ذہن میں الفاظ
 وحی جم جائیں تو حق تعالیٰ نے تکرار لسان سے بایں عنوان روکتے ہوئے کہ

لا تَحْكُم بِهٖ لِسَانُكَ لَتَعْجَلَ بِهٖ (اے پیغمبر اپنی زبان مت بلاؤ جاری نہ کرو)

اور پھر قرأت حق کو محض سننے رہنے کی ہدایت بایں عنوان

فرماتے ہوئے کہ

فَاذْكُرُوا أَنَا كَمَا تَبِعَ قُرْآنَهُ جب ہم اس قرآن کو پڑھیں تو آپ صرت
سننے رہیں۔

ذمہ دارانہ ارشاد فرمایا:

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ہمارے ذمہ ہے اس قرآن کا (آپ کے سینہ
میں) جمع کر دینا اور آپ کی زبان سے اسے
پڑھوا دینا

یہ ذمہ داری ظاہر ہے کہ وحی کے الفاظ کو سینہ نبوی میں محفوظ کر دینے
سے متعلق تھی کیونکہ پیغمبر کی زبان کی حرکت اور قرائت حق نیز پیغمبر کا
اُسے سُنتے رہنے کا تعلق الفاظ ہی سے ہو سکتا ہے۔ معنی سے نہیں۔ معنی
نہ رٹنے کی چیز ہے نہ قرائت کی اور نہ سننے کی۔ اس لئے الفاظ
وحی کے بلا کم و کاست سینہ نبوت میں اتار دینے اور محفوظ کر دینے
کی ذمہ داری تو اس آیت سے ثابت ہو گئی۔

اس کے بعد الفاظ وحی کے معنی و مطالب کا درجہ تھا تو
انہیں بھی حضور اکرم پر نہیں چھوڑا گیا یہ کبھی نہیں ہوا کہ آپ آیات
فترانی کو سامنے رکھ کر غور فرماتے ہوں کہ اس آیت کا ایک مطلب
یہ ہو سکتا ہے اور ایک یہ اور ان میں سے فلاں مطلب چونکہ الفاظ پر

زیادہ چپاں ہے اس لئے یہی مراد خداوندی ہوگا۔ نہیں بلکہ بیان مراد اور معانی فترآن کے کھول دینے کا ذمہ خود حق تعالیٰ ہی نے لیا اور فرمایا۔

ثمان علینا بیانا پھر ہمارے ہی ذمہ ہے اس فترآن کا بیان

ظاہر ہے کہ یہ بیان اس قرأت کے سوا ہی کوئی چیز ہو سکتی ہے جس کا ذمہ اس آیت کے پہلے ٹکڑے میں لیا گیا تھا ورنہ اس دوسرے ٹکڑے کے اضافہ کی ضرورت نہ تھی۔ پھر یہ کہ الفاظ کے سنا دینے کو بیان کہتے بھی نہیں قرأت کہتے ہیں بیان کسی مخفی یا مبہم یا غیر معلوم بات کے کھول دینے کو کہتے ہیں جو علم میں نہ ہو سو الفاظ جب کہ حضور سُن چکے اور آپ کے علم میں آچکے تو ان کے کھول دینے کے تو کوئی معنی ہی نہیں بن سکتے کہ یہ علاوہ محاورہ و لغت کے غلط استعمال کے تحصیل حاصل بھی ہوگا جسے محال کہا جاتا ہے اس لئے لامحالہ بیان کا تعلق لغت محاورہ اور عقل کی رو سے الفاظ سے نہیں ہو سکتا اور ظاہر ہے کہ الفاظ کے بعد معانی و مرادات ہی رہ جاتے ہیں جو الفاظ سُن لینے کے باوجود بھی مخاطب پر مخفی رہ سکتے ہیں اس لئے متعین ہو جاتا ہے کہ بیان کا لفظ معانی و مطالب کے لئے لایا گیا ہے جیسا کہ وہ لغتاً بھی معانی کے لئے وضع کیا گیا ہے اس لئے حاصل یہ نکلا کہ حق تعالیٰ نے اپنے کلام کے معانی

سمجھانے کا ذمہ بھی خود ہی لیا۔

مطالب قرآنی پر کسی کو حاکم نہیں بنایا | جس سے واضح ہو گیا

کہ قرآن کے الفاظ اور معانی دونوں میں جانب اللہ ہیں پیغمبر علیہ السلام ان دونوں میں مدعی نہیں بلکہ ناقل اور امین ہیں یعنی نزول الفاظ جمع الفاظ حتیٰ کہ استراء الفاظ بھی ادھر ہی سے ہوا اور بیان معانی شرح مطالب اور تعین مراد بھی ادھر ہی سے ہوا ظاہر ہے کہ جب پیغمبر کو بھی معانی و مرادات کے سمجھنے میں بیان حق کے تابع رکھا گیا جن پر خود قرآن اُترا تو اُمت کی کید مجال تھی کہ اُس کے فہم کو مطالب قرآنی پر حاکم بنا کر آزاد چھوڑ دیا جاتا اور وہ سلسلہ معانی میں مدعی یا مجتہد بن بیٹھتی اس لئے اسے بھی حق تعالیٰ نے فہم مراد میں بیان حق ہی کا تابع رکھا اور وہی بیان جو اپنے پیغمبر کے سامنے خود حق تعالیٰ نے دیا تھا جس سے آپ نے مرادات ربانی کو سمجھا تھا اسی بیان کی نقل و روایت کا ذمہ اپنے پیغمبر پر عائد فرما دیا کہ و اُمت کو اس بیان سے یہ مرادات ربانی سمجھائیں اور تسلیم کر دیں۔ فرمایا :-

نزلنا اليك الذکر لتبين للناس انما ارسلنا ربي طرف (اسے پیغمبر)

ما ننزل الپہنزل ولنعلہم یفکرون ذکر (ستران) تاکہ تم اسے لوگوں کے لئے کھول

کھول کر بیان کر دو جو ان کی طرف اتارا گیا اور

ناکر وہ (خود بھی) تفکر کر سکیں۔

گویا تفکر کا درجہ بھی فہم مراد کے بعد رکھا گیا تاکہ تفکر کا تعلق تعین مراد سے نہ رہے بلکہ اس بیان کے ذریعہ متعین شدہ مراد کے دائرہ میں محدود رہ کر فکر اپنا کام کرے تاکہ اس تفکر سے مرادات خداوندی ہی کے حقائق و لطائف کھلیں غیر مراد چیزیں محض لفظوں کی آڑ لیکر پیدا نہ کی جائیں کہ وہ معارف الہیہ نہوں گے بلکہ تخیلات نفسانیہ اور ادھام زدہ ہوں گے جو ناقابل التفات فلسفہ ہو گا۔ حکمت نہ ہو گی۔ دوسری جگہ قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا :-

وما ننزلنا علیک الکتاب الا لتبین اور ہم نے یہ کتاب تم پر اسے پیغمبر نہیں

لہم الذی اختلفوا فیہ اتاری مگر اس لئے کہ تم کھول کر بیان کر دو

ان باتوں کو جن میں لوگ جھگڑے (اور اختلافات)

میں پڑے ہوئے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ جھگڑا یا تو خود قرآن کے بارے میں ہو گا کہ اس کی آیت کے معنی میں لوگ اختلاف ڈالیں اور جھگڑے میں پڑ جائیں یا معاملات میں ہو گا جس میں ہر فریق اپنے کو حق بجانب

ثابت کرنے کے لئے قرآن ہی سے سند لانے کی کوشش کرتا ہو اور
 اس طرح معاملہ کے حکم میں اختلاف پڑ جائے دونوں کا تفسیر واقعی
 علاج بیان رسول کو بتلایا گیا جس سے معنی اور معاملہ کا ایک رخ متعین
 ہو جائے پس یہ بیان دو مختلف باتوں میں تزییح اور تشخیص کا کام دیگا
 اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ یہ بیان اس قرآن سے الگ ہو اگر وہ بعینہ
 وہی قرآن ہو تو جب کہ لوگوں نے خود اسی میں جھگڑا ڈالا ہوا ہے
 تو ان جھگڑالو لوگوں کے لئے وہی مختلف فیہ معنی فیصلہ کیے بن سکینگے
 اس لئے نبی کہ بیان کو جو بیان الہی ہے قرآن کے علاوہ ایک حقیقت
 کہا جائیگا جو ان مختلف پارٹیوں یا انفراد کے سوچے سمجھے مختلف معانی
 کے حق میں مرجع ہو گا جس سے اختلاف چمک جائیگا اور فیصلہ حق سامنے
 آجائے گا۔

حشر نبوی قرآن کا بیان ہے | اس سے صاف واضح
 ہے کہ یہ بیان رسول

اس قرآن سے الگ کوئی چیز ہے جو قرآن کے حقائق اور اوہل
 شدہ معانی کو متعین طریق پر کھول کر سامنے رکھ دیتا ہے اور جب کہ
 وہ نکلا ہوا اسی نور سے ہے جس سے قرآن نکلا تو اس میں اس
 نور کو نمایاں کرنے کی جو قوت ہوگی وہ کسی دوسرے کلام میں نہیں ہو سکتی

بس اسی بیان کا نام خواہ وہ قوی ہو یا عملی سکوتی ہو یا تفسیری قرآن کی اصطلاح میں بیان ہے اور حضور کی اصطلاح میں اُس کا نام حدیث یا سنت ہے جو حدّ ثوابی۔ یا علیکم بسنتی سے مفہوم ہوتا ہے یہ بیان بہت قرآنی کیلئے ایضاً ہے جملات قرآنی کیلئے تفصیل ہے۔ مشکلات قرآنی کے لئے تفسیر ہے مخفیات قرآنی کے لئے اظہار ہے کفایاً قرآنی کیلئے تصریح ہے جس کے بغیر اختلافات کا فیصلہ اور مراعات خداوندی کی تعین کی کوئی صورت نہیں اسلئے مجموعہ حدیث نبوی مجموعہ تفسیر قرآن کیلئے یا ہر حدیث نبوی الگ الگ کسی نہ کسی آیت کے لئے بیان ہے اور آیتوں کے مضمرات چونکہ مختلف الانواع ہیں اس لئے ان کے یہ بیان بھی مختلف الانواع ہیں اور اس لئے ان کے اصطلاحی نام بھی جدا جدا ہو گئے۔ مثلاً اگر آیت و روایت کا بعینہ ایک ہی مضمون ہے تو حدیث کو بیان تاکید کہا جائے گا۔ اگر آیت کے مختلف محتملات میں سے کسی ایک احتمال کو حدیث نے متعین کیا ہے تو بیان تعین کیا جائے گا اگر آیت کا پیش کردہ حکم مقدار کے لحاظ سے مبہم ہے جسے حدیث نے مشخص کیا ہے تو بیان تقریر کہا جائے گا۔ اگر آیت کے کسی اجمال کو حدیث نے کھولا اور پھیلا یا ہے تو بیان تفصیل ہوگا۔ اگر آیت کے کسی چھوڑے ہوئے مضمون مثلاً کسی قصہ کے ٹکڑے کو یا دلیل کے کسی مقدمہ کو حدیث نے

اُس کے ساتھ ملا دیا ہے تو بیان الحاق کہا جائے گا اگر آیت کے حکم کی وجہ حدیث نے ظاہر کی ہے تو بیان توجیہ کہا جائے گا اگر آیت کے کسی کلمہ کا کوئی جزئیہ حدیث نے ذکر کر دیا ہے تو بیان تمثیل ہوگا اگر حکم آیت کی علت حدیث نے واضح کی ہے تو بیان تعلیل کہا جائے گا اگر کسی قرآنی حکم کے خواہ و آثار حدیث نے کھولے ہوں تو بیان تاثیر کہا جائے گا۔ اگر کسی حکم آیت کی حدود حدیث نے واضح کی ہوں تو بیان تحدید کہا جائے گا۔ اگر کسی عام کا کوئی فرد مشخص کر دیا ہو تو بیان تخصیص کہا جائے گا۔ اگر آیت کے کسی جزئیہ کے مشابہ کوئی جزئیہ کسی مشترک علت کی بنا پر حدیث نے پیش کیا ہو تو بیان قیاس کہا جائے گا اگر آیت کے کسی اصول کلی سے حدیث نے کوئی جزئیہ مستنبط کر کے پیش کیا ہے تو بیان تفریع کہا جائے گا اگر قرآن کے کسی جزئیہ سے حدیث نے کوئی کلیہ اخذ کر کے نمایاں کیا ہو تو بیان استخراج کہا جائے گا وغیرہ وغیرہ جنکی مثالیں طول کے خیال سے نقل نہیں کی گئیں غرض حدیث نبوی قرآن کا بیان ہے اور بیان کی مختلف انواع ہیں جو نوعیت مضامین کے لحاظ سے مشخص ہوتی ہیں اور انہی کی مناسبت سے اس بیان کا نام اور عنوان مشخص ہوتا ہے۔

کتاب و سنت کے مابین رابطہ کا پتہ چلانا ہر ناکس کا کام نہیں ہے

مجتہد یا راسخ فی العلم کا ہے کہ سنت کے ان بیانات کی نوعیت کا پتہ چلا کر اسی کے مناسب اس بیان کو کتاب اللہ کی طرف رجوع کر دے۔ اور اس بیان کو اس سے ماخوذ ثابت کر دے مگر اس میں نہ ہر کس و ناکس کا فہم معتبر ہے نہ ہر ایک کو یہ علمی قوت حاصل ہے کہ وہ کتاب و سنت کے مابیني علاقتہ اور رابطہ کا پتہ چلا کر اس پر حکم لگائے یہ کام ارباب استنباط اور اصحاب تفقہ واجتہاد کا ہے کہ وہ اس غامض علم پر بتوئق خداوندی مطلع ہوں اور عوام علماء کو مطلع کریں۔

حدیث شریعت کی حجۃ مستقلہ بھی ہے

بہر حال جس قدر بھی حدیثی احکام ہیں وہ درحقیقت قرآن ہی سے ماخوذ اور اسی کا بیان ہیں البتہ ان کی خاص نوعیت کی وجہ سے

ان میں دو جہتیں پیدا ہو جاتی ہیں ایک جہت تابع قرآن ہونے کی ہے سو اس جہت سے اس کا نام بیان قرآن ہو گا گو اس بیان اور قرآن کا درمیانی واسطہ دقیق ہو اور تعبیر عمیق علم کے ہر ایک پر نہ کھلے۔ دوسری جہت اس کی تشریح احکام کی ہے اس کی رو سے حدیث ایک مستقل مصدر تشریح اور شریعت کی حجۃ مستقلہ ثابت ہوگی اس لئے جن نصوص سے حدیث کا بیان ہونا واضح ہوتا ہے ان سے تو حدیث کی تابعیت اور قرعیت

کی شان نمایاں کی گئی ہے اور جن نصوص سے حدیث مندر تشریع ثابت ہوتی ہے اُن سے اس کے احکام کو مثل احکام قرآن بتلا کر حدیث کا قرآن کے مماثل حجت شرعیہ ہونا واضح کیا گیا ہے جیسے حدیث نبوی میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

الَاخِ أَوْقِيتَ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ خَرَدَارٌ رَهْوُكَ مَجْهٌ قُرْآنَ كَسَاةِ اسْ كَا

مثل بھی دیا گیا ہے (ابوداؤد)

یا سرمایا گیا ہے

وان ما حرم رسول اللہ کما ابحثیق رسول اللہ نے بعض چیزیں حرام کی ہیں جیسے

حرم اللہ - اللہ نے حرام کیں۔

اس سے تشریعی طور پر حدیث کی استقلالی شان واضح کی گئی ہے رہا یہ پہلو کہ بعض وہ احکام جو احادیث میں ہیں اور قرآن میں نہیں جیسے "مقدام بن معدی کرب کی حدیث میں آپ نے حجیت حدیث اور اس کی مستقل تشریعی شان کو نمایاں کرتے ہوئے فرمایا کہ حمار اہلی کی حرمت قرآن میں نہیں اسے رسول اللہ نے حرام کیا ہے یا درندوں کے گوشت کی حرمت کلام اللہ میں نہیں کلام رسول میں ہے وغیرہ وغیرہ جن سے حدیث کی نہ صرف مستقل شان تشریعی ہی قرآن سے الگ ہو کر ثابت ہوتی ہے بلکہ بظاہر بعض احکام کا قرآن سے علاقہ بھی ثابت نہیں ہوتا جو بظاہر

حدیث کے بیانِ قرآن ہونے کے منافی اور سابقہ دعویٰ کے خلاف ہے جس میں تمام احادیث کے بیانِ قرآن ہونے کا ادعیٰ کیا گیا تو جواب یہ ہے کہ یہ روایت اور یہ احکام حدیث بھی بیانِ قرآن ہونے سے نہیں نکل سکے کیونکہ اس قسم کی روایات کے احکام کو جزوی طور پر کسی خاص آیت میں نظر نہ پڑیں مگر وہ کلی طور پر آیت کے ذیل کے بیان ثابت ہوں گے جسے قرآن نے ایک مستقل اصول کی حیثیت سے بیان فرما دیا ہے

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

دیا اس سے رک جاد

نہا کہ عنہ فانتہوا

پس اس قسم کے تمام احکام جن کو اللہ کے رسول نے مشروع فرمایا ہے درحقیقت اس مذکورہ آیت کا بیان واقع ہو رہے ہیں جس میں رسول کو خود احکام دینے کی ہدایت دی گئی ہے اور تشریع رسول کو تشریع الہی کے متوازی قرار دیا گیا ہے گویا اوپر کی دو ذکر کردہ حدیثیں درحقیقت اس آیت کا بیان واقع ہو رہی ہیں اور اس طرح حدیث نبوی کے دیئے ہوئے مستقل احکام سب اسی آیت کے نیچے آکر بیانِ قرآن ثابت ہو جائیں گے چنانچہ سلف صالحین اور صحابہ کرام

ایسے مستقل حدیثی احکام کو اسی آیت کی رو سے قرآنی احکام اور بیانِ قرآن کہتے تھے۔ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک بڑھیا نے کہا کہ آپؐ گودھنے والی عورت پر لعنت کرتے ہیں حالانکہ قرآن میں گودھنے کی ممانعت کہیں بھی نہیں ہے۔ فرمایا کاشش تو قرآن پڑھتی ہوتی کیا قرآن میں یہ آیت نہیں ہے کہ جو رسول لا کر دیں اسے لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ کہا ہاں یہ تو ہے فرمایا کہ بس اسی کی رو سے رسول نے داسمہ (گودھنے والی) پر لعنت کی اور اس فعل قبیح سے روکا تو یہ حکم رسول اس آیت کا بیان ہو کر قرآنی حکم ہو گیا یا جیسے امام شافعیؒ نے ایک بار حرم مکہ میں بیٹھ کر علمی جوش میں فرمایا آج میں ہر سوال کا جواب قرآن سے دوں گا۔ تو کسی نے حرم میں قتل زہور (قتل مارنے) کا حکم پوچھا کہ قرآن میں کہاں ہے؟ (جو امام شافعیؒ کا مذہب ہے) فرمایا آیت مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ كَمَا مَانَا وَاجِبٌ لَّكَ اَوْرَ حَدِّثَا اَقْتَدُوا بِالَّذِينَ مِنْ بَعْدِي ابی بکر و عمر (میرے بعد ابو بکر و عمر کی اقتدار کرو) سے ابو بکر و عمر کے حکم کا ماننا واجب نکلا اور عمرؓ نے فرمایا یُقْتَلُ الذَّهْرُ فِي الْحَا ۴ (حرم میں تبتیا بھڑماری جاسکتی ہے) اس لئے یہ قتل زہور کا حکم بیک واسطہ آیت مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ كَمَا مَانَا ثابت ہو کر قرآنی حکم ثابت ہوا۔

بہر حال حدیث کی دو جہتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک بیان قرآن ہونے کی جو اس کے تفسیری ہونے کی دلیل ہے اور ایک اس کے مستقل حجت ہونے کی جو محقق رشتہ سے گو بیان قرآن بھی ہو مگر محلی طور پر وہ حکم رسول اور حکم حدیث ہے جو حجیت میں اس کے مماثل قرآن ہونے کی جہت ہے اس لئے حدیث میں ان دو پہلوؤں کے لحاظ سے دو شاخیں پیدا ہو جاتی ہیں ایک اصل ہونے کی اور ایک فرع ہونے کی۔ سو وہ قرآن کے لحاظ سے تو فرع مانی جاوے گی کہ وہ اس کا بیان ہے۔ اور بیان تابع اصل ہوتا ہے اور اجتہادی فقہوں کے لحاظ سے اصل مانی جاوے گی۔ کہ احکام اُس سے ماخوذ بھی ہیں اور اس سے شرح شدہ بھی ہیں۔ اس طرح حدیث ایک برزخ کبریٰ ثابت ہوئی جو قرآن سے علم لیتی ہے اور فقہ کو دیتی ہے۔ اگر حدیث درمیان میں نہ ہو تو فقہ کا کوئی جوڑ براہ راست قرآن سے نہیں لگ سکتا اور مفہوم بھی نہیں ہو سکتا۔

حدیث کا تعلق قرآن اور فقہ کیساتھ | اسی بنا پر اہمیت میں حدیث نبوی کی جو اہمیت تسلیم

کی گئی ہے۔ وہ کسی علم کی نہیں۔ کیونکہ وہ قرآن کی تو تفسیر ہے اور فقہ کا متن ہے۔ اس لئے حدیث کے بغیر نہ قرآن حل

ہو سکتا ہے نہ فقہ بن سکتا ہے۔ اس لئے املاء حدیث
 کی مجلسیں اور حدیث سنانے کی محفلیں جس دھوم دھام سے
 اسلامی حلقوں میں منعقد ہوئیں۔ دنیا کی کسی قوم میں اس
 کی نظیر نہیں مل سکتی کہ اپنے رسول کے کلام کو اس تحفظ اور
 تیقظ کے ساتھ کسی قوم نے محفوظ کر دکھایا ہو اور اس
 سے نوع بنوع مسائل اور شرائع اور علوم کا استنباط کیا
 ہو۔ حدیث کے بارے میں یہ دھوم دھام و حقیقت قرآن
 فہمی کی دھوم دھام تھی اور ساتھ ہی ساتھ فقہ سازی
 کی دھوم دھام بھی تھی جو (فقہ) قرآن و حدیث کے اجالات
 کی تفصیل اور کتاب و سنت کے خم سے نکلا ہوا ایک شجرہ طیبہ ہے
 جس کی جڑ قرآن ہے۔ بنیادی تنہ اور ساق جس پر درخت کھڑا ہوا
 ہے حدیث ہے اور پھول پتیوں کا پھیلاؤ فقہ اور مستنبطات ہیں
 مبروست اس سے بحث نہیں کہ فقہی اور اجتہادی مسائل کی
 اسلام میں کیا نوعیت ہے اور اس کا حکم کیا ہے؛ بلکہ صرف
 فقہ کے نشو و نما اور وجود پذیر ہونے کی نوعیت پر روشنی ڈالنی ہے
 کہ وہ حدیث کا نتیجہ اور قرآن کا ثمرہ ہے۔ لیکن یہ نتیجہ اور ثمرہ بلا واسطہ
 حدیث وجود پذیر ہونا ممکن نہ تھا۔ اس لئے حدیث دو بعد چیزوں

کو یا ہم ملا دیتی ہے۔ یعنی کلام مجتہدین کو کلام رب العلین سے مربوط کر دیتی ہے۔ پس جس طرح اللہ اور بندوں کے درمیان رسول واسطہ ہیں کماں کے بغیر بندے خدا تک نہیں پہنچ سکتے۔ اسی طرح کلام خدا اور کلام اجتہاد واسطہ بناط کے درمیان کلام رسول واسطہ ہے کہ اس کے بغیر کلام عباد کو کلام خدا سے کوئی سند نہیں مل سکتی۔ اسلئے جو طبقہ بھی حدیث کو ترک کر دیگا نہ وہ قرآن تک پہنچ سکے گا نہ فقہ تک گویا اس کے ہاتھ میں دین کی کوئی بھی اصل اور حجت باقی نہ رہے گی اور وہ محض اپنے نفسانی تخیلات کا بندہ ہو گا۔ جنہیں اغوار شیطانی سے اُس نے فرمان خداوندی سمجھ رکھا ہو گا حالانکہ اس میں کلام خدا اور کلام رسول تو بجائے خود ہے کلام فقہات تک کے سمجھنے کی بھی اہلیت نہ ہوگی۔

بہر حال حدیث نبوی دین کے لئے حجت شرعی، تفریبی مسائل کے لئے ماخذ اور قرآن کے لئے واضح ترین

سند میں کلام کی گنجائش

اور حجت حدیث سے انکار

بیان اور شرح ہے۔ حدیث اپنے ثبوت کے لحاظ سے قطعی ہے، مگر اپنی ذاتی نوعیت کے لحاظ سے قرآن کی طرح قطعی ہے۔ اس میں

ظہیریت اگر آئی ہے تو حدیث ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ سند کے سلسلے سے آئی ہے اگر یہی حدیثی حکم ہیں بلا واسطہ خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالمشاذ دیتے تو اس کی اطاعت اسی طرح فرض تھی جس طرح قرآنی حکم کی۔ اس قطعیت میں اگر فرق پڑا ہے تو کلام رسول ہونے کی جہت سے نہیں بلکہ درمیانی وسائل کی وجہ سے جس سے اس کا حکم رسول ہونا قابل غور ہوا کہ نہ حکم رسول کا ماننا قابل تامل ہوا کیونکہ اس کے ماننے کی قطعیت تو مآل حکم رسول سے ثابت شدہ ہے جس کا ماننا قرآن کا ماننا اور جس سے انکار کرنا قرآن سے انکار کرتا ہے نیز اس کی اطاعت بعینہ خدا کی اطاعت ہے۔ من اطاع الرسول فقد اطاع اللہ اس لئے اطاعت رسول سے انکار اطاعت خداوندی سے انکار ہے جس سے دونوں کا ماننا قطعیت کیساتھ فرض ٹھہرتا ہے۔ اس لئے بحث حدیث کی نہیں بلکہ سند اور روایات کی ہے پس اگر اس کی سند روایت اسی نوعیت کی ہیں جو نوعیت قرآن کی روایت کی ہے تو بلاشبہ وہ حدیث مورث یقین بن جائے گی جیسے حدیث متواتر کہ اس کا ماننا فرض قطعی ہوگا اور اگر سند اور ثبوت میں کسی شبہ کی گنجائش پیدا ہو جاوے تو حدیث موجب ظن ہوگی اس لئے اصولاً انکار حدیث یا انکار حجیت حدیث کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا البتہ سند میں کلام کرنے کی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے۔ سو وہ حدیث

یا حجت حدیث کا ابطال نہیں۔ اگر کوئی اس گنجائش کی وجہ سے حدیث سے انکار کرے تو وہ دھوکہ میں ہے کیونکہ اس گنجائش کا اثر زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ استد کے بارے میں چھان بین کی جاوے اور جس درجہ کی سند ہو اسی درجہ کی حدیث سمجھی جائے۔ نہ یہ کہ حدیث یا اس کی حجت سے انکار کر دیا جائے پس اس سے حدیث کے حجت ہونے کے درجات یا ان کی حجت سے درجات متفاوت نکلیں گی یعنی جس درجہ کی سند ہوگی اُنہی درجہ کی حدیث ہوگی اگر سند حدیث کے رجال سب کے سب اصول فن کے لحاظ سے ثقہ اور عادل و ضابطہ ہونگے اور ساتھ ہی مسلسل اور متصل ہوں تو حدیث واجب القبول ہو جائے گی ورنہ اس درجہ کی نہ ہوگی۔ ظاہر ہے کہ سند میں کلام کی گنجائش ہونے کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ یہ حدیث قطعی نہیں یا ثابت نہیں نہ یہ کہ حدیث حجت نہیں یا کلام ہوں۔ حجت نہیں ہو سکتا یہ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ راستہ کی خرابی کی وجہ سے اگر کوئی شخص منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے تو کہدے کہ منزل ہی غیر موجود یا معدوم ہو گئی۔ ایسے شخص کو مایہ خو یا کا مریض کہہ کر پاگل خانہ بھیجا جائے گا۔ نہ کہ اس کی جوابدہی کی فکر کی جائے گی۔ اسلئے ضعیف سند وغیرہ کی وجہ سے اصولاً تو انکار حدیث کی گنجائش نہیں نکلتی زیادہ سے زیادہ اس سند خاص سے انکار کی گنجائش مکمل آتی ہے جو اہل فن کی رائے میں مجروح ہو۔ سو وہ انکار حدیث نہیں تنقید سند ہے۔

کلام رسول کے اثبات و تحفظ

میں قرآن کا اہتمام

اس سے بھی زیادہ دشمنی

یہ ہے کہ حدیث کا انکار قرآن

کے سر رکھ کر کیا جائے

حالانکہ قرآن اسے بیان

قرآن کہہ رہا ہے اس بیان کو اہمیت دے رہا ہے اس کے بارے میں

خدا کی ذمہ داری دکھلا رہا ہے اور پھر خدا ہی کی طرف سے اس ذمہ داری کو

رسول کے سر عائد کر رہا ہے۔ حال یہ ہے کہ حدیث کے انکار کی گنجائش نہ

تو اس کی سند کی وجہ سے ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ضعف سند کی صورت میں زیادہ

سے زیادہ گنجائش اس سند خاص کے انکار یا اس پر تنقید کی نکلتی ہے

جسے انکار حدیث نہیں کہا جاسکتا تنقید سند کہا جائے گا ان دونوں کو

ملا کر خلط ملط کر دینا عقل کے مختلط ہونے کی علامت ہے اور نہ ہی حدیث کے

انکار کی گنجائش قرآن کی آڑ لیکر ہو سکتی ہے جبکہ قرآن اسے اپنا بیان کہہ

کر اس کیساتھ خدائی ذمہ داری دکھلا رہا ہے۔ بہر حال کلام رسول کے اثبات

و تحفظ میں قرآن کا یہ اہتمام دیکھتے ہوئے اسی قرآن کو کلام رسول کی منفی

کی دلیل سمجھ لیا جانا بالکل بولیا سے بھی کچھ آگے ہی کا درجہ رکھتا ہے نیز اسی

طرح حدیث کا انکار اس وجہ سے کیا جاتا کہ اس میں درمیانی روایت کا واسطہ

آگیا ہے اس سے بھی زیادہ دشمنی کی دلیل ہے کیونکہ اس مصنوعی

اصول سے تو قرآن کا اقرار و تسلیم بھی باقی نہیں رہ سکتا کیونکہ وہ بھی تو ہم تک
بوسائط ہی پہنچا ہے۔ اسی طرح اگر اس وجہ سے حدیث کا انکار کیا جائے
کہ اس کے رِوَاۃ عدد یا کیفیت میں قرآن جیسے نہیں۔ یعنی ایسے اور اتنی نہیں
جیسے اور جتنے قرآن کے ہیں۔ سو اس کا حاصل بھی زیادہ سے زیادہ یہ نکل سکتا ہے
کہ چونکہ فلاں قسم حدیث کی سند قرآن کی سند جیسی نہیں اس لئے ہم اسے قرآن
جیسا قطعی اثبوت نہیں مانتے نہ یہ کہ ہم جنس حدیث کو نہیں مانتے کیونکہ یہ عبارت
کہ رِوَاۃ ایسے اور اتنے نہیں تفاوت سند پر دلالت کرتی ہے نہ کہ انکار
سند پر۔ بہر حال جنس حدیث کے انکار کے لئے کوئی اصولی راستہ نہیں نکلتا کہ
منکرین حدیث اس کے ذریعے راہ مفرا اختیار کریں۔ اب وہ زیادہ سے زیادہ
یہ کہہ سکتے ہیں کہ جنس حدیث کے بیان قرآن ہونے سے تو ہمیں انکار نہیں جبکہ
اس کا ثبوت قرآن سے ملتا ہے لیکن اس جنس کی انواع و اقسام کی اور اس
کے مشخص افراد کا ماننا ہمارے ذمہ ضروری نہیں جبکہ تشخیص کے ساتھ قرآن
نے انواع حدیث کے بارے میں کوئی تصریح نہیں کی۔ لیکن اول تو یہ شبہ
ہی نہیں ہے کیونکہ اگر قرآن کوئی اصل گلی بیان کر دے تو اسکی جزوی مثالوں
اور فروعات کو اس کی تاریخ میں تلاش کرنا چاہیئے نہ کہ خود اس کے
اوراق میں ورنہ وہ ستور اساعیسی کیا ہوگا اچھا خاصا بانی لازم ہو کر رہ جائیگا۔
جو اس کی شان کے منافی ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن میں تو شریعات کی بنیادیں

ہی قائم کی گئی ہیں۔ ان کی جزئیات کو بھی اسی میں تلاش کرنا قانون اساسی کی وضع سے بے خبری بلکہ اس کے بارے میں بے حسی کی دلیل ہے۔ اسلئے جب جنس حدیث کو قرآن سے ثابت شدہ مان لیا گیا تو اس کی فروعیات اور انواع اقسام کو بالاولیٰ ثابت شدہ مان لیا گیا۔ جبکہ فروعیات جنس میں مدغم ہوتی ہیں اور ضمناً وہ بھی اصل کے ساتھ ثابت شدہ مانی جاتی ہیں اسلئے اصل کے اقرار کے بعد فروع کے انکار و ٹوٹی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

البتہ اس سلسلہ میں ایک مطالبہ کسی حد تک جائز سمجھا جاسکتا ہے اور وہ یہ کہ جب قرآن نے جنس حدیث کو خود ثابت کیا اور اس کی اہمیت پر

تعداد و رواۃ کے اعتبار سے روایت کی چار قسمیں

رہنمائی ڈالی تو کم از کم اس اہم ترین اصول کی کوئی ایک آدھ مثال تو اسے دے دینی چاہیے تھی جس سے حدیث کے تنوع اور تعدد و انواع کا جواز سمجھ میں آجاتا جس سے آنے والوں کیلئے حدیث کے انقسام اور ان کی عہدیدوں کے لئے سند جواز مل جاتی تو میں عرض کروں گا کہ قرآن نے کمال جامعیت کیساتھ یہ مطالبہ بھی پورا کر دیا ہے اس نے نہ صرف انواع حدیث کی ایک آدھ مثال ہی دیدی ہے بلکہ سند اور جال کے اعتبار سے حدیث کی

بنیادی قسموں پر بھی کافی روشنی ڈال دی ہے جس سے راویوں کی تعداد اور ان کے اوصاف کے لحاظ سے حدیث کا مقام بھی متعین ہو جاتا ہے۔ اور اقسام کی طرف بھی راہ نمائی ہو جاتی ہے۔ اسے سمجھنے کیلئے پہلے اس پر غور کیا جائے کہ محدثین نے حدیث کی بنیادی تقسیم کیا کی ہے جس سے بقیہ اقسام حدیث شاخوں کی طرح اُسی سے شاخ در شاخ ہو کر نکلتی گئی ہیں۔ سو جھڑی کیسا تھ تعداد و رواۃ کے اعتبار سے روایت کی چار ہی قسمیں ہو سکتی ہیں جنہیں محدثین نے فن مصطلحات الحدیث میں ادویت کا درجہ دیا ہے

ایک یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے

خبر غریب | لیکر ہم تک کسی حدیث کی روایت ایک

ایک راوی سے ہوتی آرہی ہو۔ اگر درمیان میں راوی کہیں ایک سے زائد بھی ہو جائیں تب بھی اُسے ایک ہی ایک راوی کی روایت شمار کیا جادے گا۔ اس حدیث کا نام محدثین کی اصطلاح میں خبر غریب یا خبر فرد ہے۔ ایسی روایت سے کو قطعی یقین حاصل نہ ہو لیکن ظن ضرور پیدا ہو جاتا ہے جس کا دین و دنیا کے تمام معاملات میں قطعی طور پر اعتبار کیا گیا ہے اور ایسی خبر نہ صرف یہ کہ رو نہیں کیا جاسکتی بلکہ اُس پر ہزار ہا دنیوی و آخروی معاملات کا فیصلہ کر دیا جاتا ایک مسئلہ اور مروجہ حقیقت ہے البتہ اس میں یہ شرط ضرور ہے کہ وہ راوی ثقہ اور قابل اعتماد ہوں اور ان کے حفظ و عدالت پر کوئی

تہمت نہ ہو۔

خبر عزیز | دوسری صورت یہ ہے کہ پیغمبر سے لیکر ہم تک کسی روایت کو دو وثقہ اور عادل آدمی روایت

کرتے آرہے ہوں خواہ درمیان میں کہیں روایت کا عدد دوسے بڑھ بھی جائے مگر وہ دو دو ہی کی روایت شمار ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ خبر پہلی روایت کی قوت سند کے لحاظ سے برسی ہوئی ہوگی اور اس لئے اگر یہ پہلی روایت صرف ظن کا فائدہ دیتی تھی تو یہ غلبہ ظن کا فائدہ دے گی۔ اور وہ معاملات میں پہلی سی زیادہ قوی حجت سمجھی جائے گی ایسی خبر کو محدثین کی اصطلاح میں خبر عزیز کہتے ہیں۔

خبر مشہور | تیسری صورت یہ ہے کہ اوپر سے نیچے تک کسی روایت کو کم از کم تین تین ثقہ آدمی روایت کرتے آرہے ہوں

گو بیچ میں اس سے زیادہ بھی ہو جائیں مگر یہ روایت تین ہی تین آدمی کی شمار ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ روایت دوسری روایت سے کہیں زیادہ قوی اور معاملات میں قوی ترین حجت شمار ہوگی جس کا انکار عادت و عرف میں صریح مکابرہ اور جھوٹ سمجھا جائے گا۔ اس خبر سے نہ صرف غلبہ ظن بلکہ فی الجملہ یقین پیدا ہو جائے گا۔ گو ضابطہ قضا میں وہ یقین نہ کہلائے۔ لیکن دیانتاً اُسے یقین کہتے ہیں کوئی جھجک محسوس نہیں کی جائے گی۔ ایسی خبر کو محدثین کی اصطلاح

میں خبر مشہود کہتے ہیں

جو کچھ ضرورت یہ ہے کہ اوپر سے نیچے تک کسی روایت کو
خبر متواتر تین اور چار کی قید سے بالاتر ہو کر اتنے ثقہ اور عادل افراد

روایت کرتے آرہے ہوں جن کا جھوٹ پر جمع ہو جانا عادتاً محال ہو اور کسی دور
 میں بھی چار سے کم نہوں خواہ زائد ہو جائیں اور زائد کی کوئی حد مقرر نہیں۔ تو
 یہ روایت تیسری نوع روایت سے بدرجہا مضبوط اور قوت و اعتبار میں
 انتہائی حد پر پہنچی ہوئی ہوگی اور اس سے نہ صرف دیانتاً ہی یقین حاصل ہو جائے
 گا بلکہ وہ یقین پیدا ہوگا جسے عرف عام اور ضابطہ و قانون میں بھی یقین ہی کہہ سکا
 جائے گا اور کسی حالت میں بھی اس کا رد و انکار جائز نہ ہوگا بلکہ وہ حجت قطعہ سمجھی جائے
 گی اس خبر کا نام اصطلاح محدثین میں خبر متواتر ہے

اب اگر تواتر افراد سے گذر کر طبقات
تواتر کے اقسام و درجات اور بڑی بڑی جماعتوں تک پہنچ

جائے اور کسی روایت کو ہر دور میں ایک جم غفیر اور جماعتیں کی جماعتیں روا
 کرتی آرہی ہوں تو ظاہر ہے کہ تواتر کی قوت میں اور زیادہ استحکام پیدا ہو جائے
 گا۔ تاہم جنس تواتر ایک ہی رہے گی۔ اس جنس کی ان دو قسموں کے اصطلاحی
 نام حضرت الاستاد اکبر علامہ انور شاہ قدس سرہ نے تجویز فرمائے تھے
 تواتر کی ابتدائی قسم کا نام تواتر سندی اور دوسری قسم کا نام تواتر قسری

وضع فرمایا تھا پس قرآن کریم کی روایت تو اتر قرتی ہے۔ بہر حال۔ متواتر روایت میں کسی ادنیٰ شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی ایسی خبر کا منکر زبان خلق پر مطعون یا مجنون کہلائے گا کیونکہ یہ متواتر روایت گویا زبان حق ہوگی جو زبان خلق سے کام کرے گی اس لئے اس خبر کو گویا خدا کی خبر اور خدائی منقل در روایت کہا جائیگا جسے جھٹلانے کی کوئی اصولی صورت ممکن نہ ہوگی کیونکہ اس خبر کا محافظ خود خدا ہو گا نہ کہ مخلوق۔

بہر حال روایت کے سلسلہ میں ایک سے لیکر چار تک جبر عقی کے ساتھ یہ چار ہی صورتیں نکل سکتی ہیں جن میں راویوں کے لحاظ سے ہر زائد عدد والی روایت کم عدد والی روایت سے مضبوط اور محکم ہوگی اور اسی حد تک اس کی حجت اور اعتبار کا درجہ بڑھتا جائے گا بالفاظ دیگر روایت جس قدر بھی فرد سے گذر کر جماعت کی حد میں آئی جائے گی اسی قدر ظن سے یقین اور یقین سے کمال یقین کی طرف بڑھتی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ شریعت نے ایک عدد سے گذر کر دو کے عدد کو جماعت تسلیم کیا ہے۔ فرمایا گیا۔

اثنتان وما فوقهما جماعة
دو اور دو سے زیادہ جماعت ہے

چنانچہ نماز میں اگر دو بھی جمع ہو جائیں تو شرعاً وہ نماز جماعت کہلائیگی اور تین ہو جائیں تو جماعت معہ ہو جائیگی۔ گویا تین افراد کا مجموعہ شرعاً معتد بہ ہے پس جماعت کی حد ایک کے بعد ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔ پھر اگر عدد تین سے بھی بڑھ جائے

مثلاً چار یا اس سے زائد افراد اکٹھے ہو جائیں تو وہ جماعت کبیرہ کے حکم میں آجائے گی جس سے جمعہ بھی ادا کیا جاسکے گا جس کا موضوع ہی شرعی جامعیت اور اجتماعیت ہے جیسا کہ لفظ جمعہ اور اس کے ماوہ (جمع) سے ظاہر ہے۔ پھر یہ جماعت کبیرہ اگر ثقہ اور عادل لوگوں پر مشتمل ہو جن کا ایک ایک فرد ثقت و عدالت کا مجسمہ ہو گویا ایک ایک اُمت اور جماعت کے حکم میں ہو لیکن اُن ابراہیم کان اُمتا تو یہ جماعت ایک جماعت عظیمہ کے حکم میں ہوگی جس کی کہی ہوئی بات قطعیت کے انتہائی مقام اور یقین کے اعلیٰ ترین درجہ پر بھی جائے گی جس سے زیادہ یقین آور کوئی صورت نہیں ہو سکتی نہ صرف اصطلاحاً بلکہ اصولاً اور فطرتاً اس سے قلوب اطمینان کی ٹھنڈک محسوس کرینگے۔ پس جماعت کی حد ایک کے بعد ہی سے شروع ہو جاتی ہے اور چار پر آکر ختم ہو جاتی ہے۔ آگے اگر درجہ ہے تو کمال جماعت کا ہے نہ کہ اصل جماعت کا اسلئے تعدد روایت کے سلسلہ میں اعتماد یقین اور اطمینان اور اعتبار کا قصہ بھی کم از کم چار کے عدد پر پہنچ کر پورا ہو جاتا ہے۔ آگے یقین و اطمینان میں اضافہ کے درجات آتے رہیں گے۔ لیکن نفس یقین کا سرچشمہ چار ہی کا عدد رہے گا بشرطیکہ راوی ثقہ اور عادل ہوں اس لئے راویوں کے عدد کے لحاظ سے روایت کی چار قسمیں عقلی کیساتھ نکلتی ہیں جو خبر غریب۔ خبر عزیز۔ خبر مشہور اور خبر متواتر کے نام سے محدثین کے

یہاں معرّف ہیں۔

خبر متواتر اور اس کی حجیت کا
ثبوت خود عین قرآن شہ
تدبر کیا جائے تو قرآن حکیم
نے جنس حدیث کے اثبات
کے ساتھ روایت کی ان
چاڑیوں کی بنیادیں بھی

خود ہی قائم کر دی ہیں۔ چنانچہ ان میں سے خبر متواتر اور اس کی حجیت
کا ثبوت تو خود قرآن کریم کی ذات ہی ہے جس کی روایت کا
طریقہ ہی تو اثر ہے جس سے وہ زمانہ نبوی سے ہم تک منقول ہوتا
ہوا آ رہا ہے گویا قرآن کی روایت ہی تو اثر کا وجود ہے اگر تو اثر
سے انکار کر دیا جائے تو قرآن کا وجود ہی باقی نہیں رہتا۔ اور
ظاہر ہے کہ جو قرآن اور اس کی حجیت کو تو اثر کی بنا پر تسلیم کرے گا
اسے خبر متواتر اور اس کی حجیت کو بھی قطعی طور پر تسلیم کرنا
پڑے گا۔ ورنہ قرآن کی حجیت سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا کیونکہ جو
تواتر قرآن کی حجت ماننے کا موجب ہوا ہے وہی تواتر حدیث متواتر
میں بھی موجود ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ اسے حجت قرار دیا جائے
اور کوئی وجہ نہیں کہ علت تو دونوں جگہ مشترک ہو اور حکم الگ الگ
ہو جائے۔ یہ صحیح کہ قرآن کا تواتر بہت اونچا اور ایک خاص تواتر یعنی

تواتر قرن ہے جن کا مقابلہ عام تواتر نہیں کر سکتا۔ لیکن اس فرق کا
 ثمرہ زیادہ سے زیادہ فرق مراتب نکلے گا۔ نہ کہ نفس تواتر کا انکار
 کیونکہ اس کا حاصل یہ ہوگا کہ قرآن کریم کے تواتر سے اگر کمال یقین
 حاصل ہو جس کا درجہ ادنچا ہے تو نفس تواتر سے نفس یقین حاصل ہو۔ نہ
 یہ کہ نفس تواتر غیر معتبر ہو جائے۔ پس کمال تواتر کا ثمرہ قوت یقین ہے
 نہ کہ اصل تواتر اور اس کا ثمرہ (نفس یقین) کا انکار جو لوگ قرآن
 کے اعلیٰ ترین تواتر کو سامنے رکھ کر حدیث متواتر کی حجت سے انکاری
 ہیں۔ وہ درحقیقت قرآن متواتر کی حجت کے بھی قائل نہیں اور یا پھر
 حدیث متواتر کے انکار متواتر چھوٹے ہیں کیونکہ کمال تواتر میں بہر حال نفس
 تواتر بھی تو موجود ہے اور کمال یقین میں بلاشبہ اصل یقین بھی مضمر
 ہے۔ پس کمال تواتر کی حقیقت اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ نفس تواتر
 میں اضافہ ہو جائے ایسے ہی کمال یقین کی حقیقت اس سے زیادہ اور
 کیا ہے کہ اصل یقین میں زیادتی ہو جائے اور کوئی شخص بھی اضافہ
 تک بغیر اصل سے گزرے ہوئے نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے زیادہ کا قائل
 درحقیقت اصل کا بھی قائل ہے۔ جو اس زیادہ میں
 مضمر ہے۔

اندرین صورت اضافہ کو سامنے رکھ کر اصل کا انکار کر دینا

درحقیقت اضافہ سے بھی انکار ہے ورنہ بغیر اصل کے یہ اضافہ آخر آیا کہاں سے؟ اور یہ منکر اس تک پہنچا کیسے؟ پھر بھی اگر وہ اضافہ کا نام لیکر اصل کا انکار ہی کرتا رہے تو اس کی مثال ایسی ہی ہوگی جیسے کوئی بچے کی مندرل منہدم کر کے اوپر کی منزل پر رہنے کا دعویٰ کرے سو جیسے یہ شخص عقلا کے نزدیک جھوٹا اور دروغ گو شمار ہوگا ایسے ہی وہ شخص بھی جھوٹا شمار ہوگا۔ جو قرآن متواتر کی حجیت کو تواتر کی بنا پر مانکر حدیث متواتر کی حجیت کا انکار کرنے لگے کیونکہ خبر متواتر ہی کا تو یہ تواتر ہے جس پر اضافہ ہو کر قرآن کا کمال تواتر رونما ہوا ہے۔ بہر حال خبر متواتر اور اس کی حجیت کا ثبوت خود قرآن و قرآن کی روایت ہے۔

بلکہ اگر غور کیا جائے
تو قرآن کریم کی
روایت سے صرف
خبر متواتر ہی کا

قرآن کے طریق روایت سے مطلق روایت و خبر کا ثبوت

ثبوت نہیں ہوتا بلکہ نفس روایت و خبر کے معتبر ہونے کا ثبوت بھی باسانی مکمل آتا ہے کیونکہ قرآن کی روایت ظاہر ہے کہ روایت متواترہ ہے۔ اور روایت متواترہ ایک قسم ہے

نفسِ روایت کی۔ گویا نفسِ روایت و خبر مقسم کا درجہ ہے۔ اور خبر متواتر اس کی ایک قسم ہے اور ظاہر ہے کہ قسم کو مانکر مقسم کا انکار یا قسم کو معتبر مانکر مقسم غیر معتبر ہونے کا افسرار ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی مقید مانکر مطلق کا انکار کر دے یا خاص مانکر عام کا انکار کر دے۔ حالانکہ مقید بن ہی نہیں سکتا۔ جب تک کہ مطلق نہ ہو۔ اور خاص بن ہی نہیں سکتا جب تک کہ عام نہ ہو۔ اس لئے قرآن کی روایت خاص یعنی متواتر کا افسرار کر کے آدمی مطلق روایت کے افسرار سے کبھی بچ ہی نہیں سکتا۔ جبکہ یہ مطلق روایت اس مقید میں موجود ہے اور خبر متواتر کے معتبر ہونے کو مانکر نفسِ خبر و روایت کے معتبر ماننے سے کبھی گریز کر ہی نہیں سکتا۔ جب کہ متواتر کے اعتبار میں نفسِ روایت کا اعتبار بھی آیا ہوا ہے۔ اس لئے قرآن کے طریقِ روایت سے محض خبر متواتر ہی کا ثبوت نہیں ہوتا جو قسم کا مرتبہ ہے بلکہ مطلق خبر کے معتبر ہونے کا بھی ثبوت ہو جاتا ہے۔ جو مقسم کا مرتبہ ہے۔ جس کے معنی یہ نکلے کہ اصولاً نفسِ روایت اپنی اقسام کے ذیل میں حسب مراتب خود بلاشبہ معتبر اور واجب التسلیم ہے خواہ وہ قرآن کی روایت ہو یا غیر قرآن کی۔ اس لئے حدیث کی روایت کا معتبر ماننا قرآن کی

روایت کو معتبر ماننے کے بعد ضروری ہو جاتا ہے، البتہ دونوں
کی روایت کے درجات و مراتب کی قدر اُن کے احکام کے
مراتب و درجات کے فرق سے انکار نہیں ہو سکتا۔ مگر اصل کے
انکار کی کوئی صورت نہ ہوگی

اس لئے منکروں کے لئے
دو ہی صورتیں ہیں یا وہ ہرے
سے نقل و روایت کا انکار
کریں اور کھل کر حدیث کے

منکرین حدیث کیلئے
دو راستے

ساتھ قرآن کے بھی منکر ہو جائیں لیکن اگر وہ قرآن کی روایت
کو مانیں تو اس کے ضمن میں نفس روایت کو مان کر روایت
حدیث کا ماننا بھی اُن کے سرفہرہ ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ
قرآن کو مان کر حدیث کا انکار کر دیں ورنہ وہ نفس روایت
کے ہی منکر کہلائیں گے۔

مزید غور کیا
جائے تو روایت
متواترہ کا ثبوت
قرآن کی

مطلقاً ثبوت قرآن سے
خیال متواتر کا ثبوت

روایت ہی کو سامنے رکھنے پر موقوف نہیں بلکہ مطلقاً
قرآن کے ثبوت سے بھی ہو جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے
کہ قرآن کی روایت ہی سے اس کا ثبوت پیش کیا جائے کیونکہ
قرآن کو حجت مان کر سوال یہ ہوتا ہے کہ اس قرآن کا
قرآن ہونا آخر ہیں کیسے معلوم ہوا؟ اگر خود قرآن ہی
ہے معلوم ہوا تو درحالیہ ابھی تک خود قرآن کا قرآن
ہونا ہی ثابت شدہ نہ ہو قرآن سے کسی چیز کا ثبوت کیسے
ہو سکتا ہے؟ جسے تقدیم شی علی نفسہ کہتے ہیں۔ لاصح
غیر قرآن ہی ہے قرآن کا قرآن ہونا معلوم ہو سکتا ہے
اور ظاہر ہے کہ وہ غیر قرآن بجز پیغمبر کی خبر کے اور کیا ہو
سکتا ہے؟ جو منقول ہو کر بلا کم و کاست ہم تک پہنچے اور
اسی کا نام حدیث ہے۔ اسلئے قرآن کا قرآن ہونا خود حدیث
پر موقوف نکلا۔

اندرین صورت یہ کیسے ممکن ہے کہ قرآن تو
واجب التسلیم ہوا اور حدیث نہ ہو۔ ورنہ خود قرآن کا ثبوت
اور وجود بھی ممکن نہ رہے گا۔

قطعیت قرآن سے خبر متواتر کی قطعیت کا ثبوت

ساتھ ہی یہ کہ جس خبر سے ہم کو
قرآن جیسی قطعی یقینی اور اہم
ترین کتاب کا علم ہو وہ خبر بھی
قطعیت میں قرآن سے کم نہ ہو

چاہیے۔ ورنہ اگر وہی ٹٹی ہو تو قرآن کا ثبوت قطعی نہ رہے گا بلکہ ٹٹی ہو جائے
گا جس کے انکار سے نہ کفر عائد ہو گا نہ اس پر ایمان لانا ہی فرض قطعی رہے گا
جس سے ایمان کا کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا اس لئے اس خبر کا قطعی
اور انتہائی طور پر موجب یقین ہونا ضروری ہے اور ایسی خبر بجز متواتر
کے دوسری نہیں ہو سکتی۔ اس لئے قرآن کے ثبوت سے پہلے مگر قرآن کی
نسبت کیسا تھ نہ صرف جنس حدیث ہی کا ثبوت ہاتھ لگا جو جنس اور مقسم
کا مرتبہ ہے بلکہ اس کی ایک قسم خاص خبر متواتر کا ثبوت بھی نکل آیا اس
لئے قرآن کو قرآن کہنے والا تو کم سے کم نفس حدیث اور اس کی ایک قسم
متواتر کا کبھی انکار کر نہیں سکتا ورنہ وہ تسلیم قرآن کے دعوے میں بھی
جھوٹا اور منافق شمار کیا جا دے گا۔ ہاں قرآن ہی کا کوئی کھلے بندوں
انکار کرنے لگے تو ہمیں اس تحریر میں اس سے تعرض کرتا نہیں۔ کیونکہ منکر
قرآن کا جواب دوسرا ہے جس سے یہاں بحث نہیں۔ بہر حال قرآن کو کسی
بھی جہت سے مانا جاوے کم از کم حدیث کا متواتر ماننا ضروری

ہو جائیگا جس کے لئے قرآن کی روایت بھی ایک مستقل ثبوت ہے اور خود قرآن
قرآن کے اقرار کے نسبت بھی ایک مستقل ثبوت ہے جس کے ضمن میں نفس
حدیث کا ثبوت بھی خود بخود آ جاتا ہے۔ اس لئے خبر متواتر کا ثبوت تو قرآن
حکیم سے بجز لٹل گیا

اب حدیث کی بقیہ تین
قسموں مشہور، عزیز اور
غریب پر قرآن کی روشنی
میں غور کیجئے۔ سو خبر مشہور

خبر مشہور و خبر عزیز
اور خبر غریب قرآن کی روشنی میں

جو کم سے کم تین ثقہ راویوں کی روایت سے منقول ہو اس کا اور اس کی حقیقت
کا ثبوت بھی قرآن سے ملتا ہے۔ قرآن حکیم نے اصحاب القریہ کے
بارے میں فرمایا جو سورہ لیسین شریف میں ہے۔

یا ذکر و گادوں والوں کی مثال جبکہ ان	و ا ضرب بهم مثلاً اصحاب القریہ
کے پاس رسول آئے جب ہم نے ان کی طرف	ا فجاہا المرسلون اذ امرنا
دو رسول بھیجے تو انہوں نے انہیں جھٹلادیا	الیہم اثنین فکذبوہما ففزعنا
تو ہم نے تیسرے سے قوت دی اور ان	ثباتہ فقالوا انا الیہم المرسلون
تینوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف رسول بنا کر	
بھیجے گئے ہیں	

اس سے واضح ہے کہ دو کی تکذیب کر دینے پر تیسرے کا اضافہ
 اصولاً اس وجہ سے تھا کہ عاداتاً تین ثقہ اور عادل افراد کو جھٹلانا فطرت
 انسانی کے خلاف ہے اور اس سے گاؤں والوں پر خدا کی حجت تمام ہو
 جائے گی۔ کیونکہ تین آدمی کا مجموعہ جماعت کہلاتا ہے اور عاداتاً نہ تو
 تین افراد کی جماعت اور وہ بھی نیک اور پارسا لوگوں کی ملکر جھوٹ بول
 سکتی ہے اور نہ ہی اسے جھٹلایا ہی جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں نقل و روایت
 کے سلسلے میں تین کا عدد پیش نظر ہے۔ رسالت کا وصف پیش نظر نہیں
 کیونکہ رسول تو ایک بھی ثقاہت و عدالت اور صدق و امانت میں ساری
 دنیا سے بڑھ کر ہوتا ہے اگر گاؤں والوں کو رسالت کی عظمت پیش نظر
 ہوتی تو وہ ایک رسول کی بھی تکذیب کی جرأت نہ کرتے اور کرتے تو وہ خود
 ہی غیر معتبر ٹھہراتے رسولوں کے عدد میں لحاظ و صف رسالت اضافہ
 کی ضرورت نہ ہوتی۔ لیکن ان پر قانونی حجت تمام کرنی تھی تو آخر کار تین
 کا عدد مکمل کر کے رسالت ان تک پہنچائی گئی کہ دنیا کے عام اصول پر تین
 سچے انسانوں کی خبری طرح بھی قابل رد شمار نہیں کی جاتی۔

اس سے یہ اصول واضح ہو جاتا ہے کہ اگر تین تین کی روایت سے

کوئی خبر روایت ہوتی ہوئی ہم تک پہنچے تو قرآن کی رو سے لحاظ روایت
 وہ ہرگز رد نہیں کی جاسکتی کیونکہ اس سے نہ صرف غلبہ ظن بلکہ دیانتاً

یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ جس میں شک کی گنجائش نہیں رہتی اور جبکہ یہی نوعیت خبر مشہور کی ہے تو قرآن کریم سے خبر مشہور اور اس کی حجیت کا ثبوت مل جاتا ہے۔ اندرین صورت خبر مشہور کے ثبوت اور اس کی حجیت کا منکر درحقیقت قرآن کے اس اصول اور آیت بالا کا منکر ہے جس کو منکر قرآن کہا جائے گا۔

اسی طرح خبر عزیز جس کی روایت دو ثقہ راوی کریں قرآن حکیم سے ثابت اور معاملات میں از روئے قرآن حجیت ہی ارشاد قرآنی ہے

واشہد واخوٰی عدل منکم اور گواہ بناؤ دعدل والوں کو اپنے میں

واقیموا الشہادۃ لکم سے اور بوجہ اللہ شہادت قائم کرو۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ دو کی شہادت محض معتبری نہیں بلکہ حجیت بھی جعفرین اور دنیل کے ہزار ہا جانی مالی۔ اخلاقی اور مابنی معاملات کا فیصلہ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ قضاے قاضی ظاہر و باطن نافذ ہو جاتی ہے۔ یہ شہادت ظاہر ہے کہ روایت ہے اس روایت کا نام شہادت تعارف کے طور پر محض اس لئے رکھ دیا گیا ہے کہ وہ سرکاری طور پر کسی مقدمے یا خصومت میں قاضی یا مجسٹریٹ یا ثالث و سرپرچ کے سامنے دی جاتی ہے جس سے اس میں سرکاری اہمیت پیدا ہو جاتی ہے ورنہ وہی روایت ہے جو عدالت کے کمرے سے باہر روایت کے نام سے موسوم ہوتی ہے ظاہر ہے کہ اس نام یا نسبت

کے فرق سے ایک سرکاری خبر ہے اور ایک نجی۔ یا ایک اطلاع قضا ہے اور ایک دیانتاً خبر کی حقیقت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر یہی شاہد عدالت کے کمرے سے باہر نکل کر یہی روایت پہلک کے سامنے بیان کرے تو تبدیلی نام و نسبت کے سوا اور فرق ہی کیا ہوگا بس اب اسے شہادت کے بجائے روایت کہنے لگیں گے۔ لیکن خبر اور خبر کی حقیقت وہی ہے گی جو عدالت کے کمرے میں تھی اس لئے شہادت کی تمام شرائط و حقیقت روایت کی شرائط ہیں۔ پس جیسے شہادت بلا واسطہ ہو تو اس کا عینی ہونا ضروری ہے کہ شاہد اپنا مشاہدہ یا سماع بیان کرے ایسے ہی روایت میں بھی راوی اول کے لئے بھی یہی شرط ہے کہ روایت کردہ واقعہ اس کا چشم دید یا براہ راست خود شنید ہو۔ پھر جیسے روایت بالواسطہ بھی ہوتی ہے ایسے ہی شہادت بھی بالواسطہ ہو سکتی ہے جسے شہادت علی الشہادت کہتے ہیں اور جیسے ان وسائل کی شہادت کیلئے ضروری ہے کہ جس پر شہادت کی انتہا ہو وہ اپنا چشم دید یا خود شنید واقعہ بیان کرے۔ ایسے ہی روایت کی سند کے لئے بھی ضروری ہے کہ اس کی انتہا جس پر مبنی چاہیے۔ کہ راوی اول اپنا مشاہدہ یا سماع نقل کرے پھر ثقہ اور اعتماد کی جو شرائط شاہد کیلئے ہیں وہی راوی کے لئے بھی ہیں جن کی تفصیلاً فن میں مذکور ہیں۔ غرض شہادت و روایت ایک ہی چیز ہے۔ اس لئے

اگر شہادت شرعاً حجت ہے تو بلاشبہ روایت بھی حجت ہے۔ فرق ہے
توقضاء اور دیانت کا ہے نہ کہ اصل خبر کا۔

پس قرآن کریم نے آیت بالاین دو آدمی کی شہادت کو معتبر
اور حجت مان کر درحقیقت دو کی روایت کے معتبر اور حجت ہونے
کا اعلان کیا ہے۔ پس اگر یہ دو کی روایت عدالت جیسی اہم جگہ میں
قانوناً معتبر ہے جس میں سیاسی اہمیت بھی موجود ہے تو انہی دو کی روایت
عدالت سے باہر دیانات کے حلقوں میں جہاں وہ سیاسی اہمیت بھی
نہیں ہے دینا تا کیوں معتبر اور حجت نہ ہوگی؟ ضرور ہوگی۔ بلکہ اسے بدرجہ
اولیٰ معتبر اور حجت ہونا چاہیئے۔ اس لئے دو دو کی روایت کے
معتبر اور واجب التسلیم ہونے کا ماخذ بھی قرآن حکیم ثابت ہوا جس
کا نام خبر عزیز تھا اور واضح ہوا کہ خبر عزیز اور اس کی حجت کا منکر و ^{حقیقت}
آیت بالا کا منکر ہے جسے منکر قرآن کہا جائے گا۔ رہی خبر غریب
جسے خبر فرسودہ بھی کہا جاتا ہے اور جسے ایک ایک آدمی روایت
کرے سو قرآن حکیم کی ایک نہیں بیسیوں آیتیں اس کے ثبوت میں
پیش کی جاسکتی ہیں جن سے اس کی حجت پر روشنی پڑتی ہے۔

ایک ہی فرد پر سارے دیان کا دار و مدار ہے |
اول تو سارے انبیاء کے

ممكن ہے کہ اس ثبوت میں یہ خدشہ کیا جائے کہ گفتگو ہے انسانوں کی خبر فرد میں اور نظیر لائی جا رہی ہے فرشتوں کی خبر فرد سے حالانکہ کسی جنس کے لئے نظیر ہم جنس ہی کی معتبر ہوتی ہے۔ اور یہاں انسان اور فرشتہ میں کوئی جنسی اشتراک نہیں تو پھر ایک نوع کی نظیر دوسری نوع پر کیسے حجت ہو سکتی ہے؟ گو یہ شبہ قابل التفات نہیں۔ جبکہ خبر کی نوعیت دونوں جگہ ایک ہے خواہ وہ فرد انسان ہو یا فرشتہ یہاں فرق اگر ہے تو راویوں کی جنس کا ہے۔ نہ کہ روایت کی جنس کا روایت اور اوصاف روایت کی نوعیت دونوں جگہ یکساں ہے۔ اس لئے کے تفاوت جنس سے روایت کے ثبوت میں کیا خلل آسکتا ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک راوی چین کا ہو اور ایک عرب کا ایک مشرق کا ہو ایک مغرب کا مگر جبکہ وہ اصول وایت کو مطابق روایت کریں تو ان کے وطنوں اور رنگوں کے فرق کو روایت میں کیا فرق پڑ سکتا ہے ایسے ہی کسی خبر فرد کے راوی آسمان کے باشندے ہوں یا زمین کے بننے والے۔ مگر روایت کے تمام اصول قوانین کی رعایت سے روایت کریں تو اسے زمین کے باشندوں کے لئے بطور نظیر پیش کئے جانے میں آخر اشکال کیا ہو سکتا ہے؟ پھر اچھے اوصاف کا سرچشمہ بہر حال ملائم ہی ہیں اور انسانوں کو ان کی ملکیت سے استفادہ کا مکلف ٹھہرایا

گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں فرشتہ سے اس کی ذات کا استفادہ منظور نہیں کہ آدمی فرشتہ ہو جائے بلکہ فرشتہ کے اوصاف سے استفادہ مطلوب ہے جو باوجود اختلاف جنس کے مطلوب ہے اور نہ صرف ممکن بلکہ واقع ہے چنانچہ مثالوں میں کہا جاتا ہے کہ فلاں انسان پر ملکیت کا غلبہ ہے گویا بشر کیلئے ملائکہ کی اخلاقی نظیرین حجت ہو سکتی ہیں اور انسا میں یہ اشتراک جنسوں کے اختلاف کے باوجود بھی ہو سکتا ہے تو زوا کے بارے میں ملائکہ کے اوصاف روایت انسانوں کے حق میں کیوں ناقابل اعتبار اور ناقابل قیاس ہو جائیں گے؟ اس لئے یہ مذکورہ مشبہ اصولاً مہمل ہے۔

تاہم اس بحث سے
الگ ہو کر جب کہ مقصود
مخاطبوں کو اطمینان
دہانی ہے تو ہم روایت

ہر اُمت کے پاس اُس کا
ایک ہی صّادی آپا

فرد کے بارے میں ملکی نظمیر سے ہونے کے بشری نظیر بھی قرآن کریم ہی سے پیش کئے دیتے ہیں ہم نے سابق میں خبر مشہور کے بارے میں تین پیغمبروں کی جماعتی خبر سے استدلال کرتے ہوئے خبر مشہور کا قرآن کریم سے ثبوت پیش کیا تھا اس لئے خبر فرد کے

بارہ میں تنہا ایک پیغمبر کی خبر یقیناً خبر فرد کے ثبوت کے لئے کافی
 ہو جانی چاہئے سو کون نہیں جانتا کہ امت کو پیغمبر سے جو خبر بھی ملتی ہے وہ
 ایک ہی کی ہوتی ہے یہ تو صرف اصحاب القریہ ہی کی خصوصیت تھی
 کہ ان کے پاس اکٹھے تین پیغمبر بھیج دیئے گئے جنہوں نے جماعتی طور
 پر پیغام الہی پہنچایا ورنہ ہر امت کے پاس امت کا ایک ہی ہادی
 و نذیر آیا اور اس ایک ہی نے خدائے برتر کی طرف سے خبریں
 دیں۔ حضرت نوح۔ حضرت ابراہیم۔ حضرت موسیٰ۔ حضرت عیسیٰ
 حضرت ہود۔ حضرت صالح وغیرہم علیہم الصلوٰۃ السلام تنہا تنہا ہی اپنی
 امتوں کی طرف مبعوث ہوئے اور ایک ہی ایک نے خدائی دین کی نقل
 و روایت خدا کی طرف سے امت کے سامنے پیش کی یہ خبر فرد نہیں
 تھی تو اور کیا تھی؟ اس لئے قرآن نے جتنے بھی پیغمبروں کی دعوت کا ذکر
 کیا ہے وہ درحقیقت خبر فرد ہی کا ذکر ہے جہاں جہاں بھی اذقال ہم
 نوح اذقال ہم ہود اذقال ہم لوط وغیرہ کے کلمات وارد ہوئے
 اور وہ حجت تھے تو یقیناً یہ خبر فرد ہی کی حجت اور اس کے واجب التسلیم
 ہونے کا زبردست ثبوت ہے جو قرآن کی بیسوں آیتوں میں پھیلا ہوا
 ہے پس خبر عزیز اور مشہور و متواتر کیلئے تو ایک ہی آدھ آیت بطور دلیل
 یا ثبوت دستیاب ہوگی لیکن خبر فرد کے لئے تو سینکڑوں آیتیں موجود ہیں

جس سے اس کا ثبوت سارے ثبوتوں سے زیادہ مضبوط اور اٹل ہو جاتا ہے اور جب کہ فرشتہ سے لیکر انبیاء تک خدائی خبریں ایک ہی ایک فرد سے آئیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ تمام آسمانی شریعتوں اور ادیان کا مدار ہی خبر فرد کی روایت پر رہا ہے۔ نہ کہ خبر مشہور و متواتر پر اس لئے باین خصوصیت خبر فرد اپنی تمام ہم نوع خبروں سے فائق ہو جاتی ہے۔ اور اس کا ماننا اس لئے بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ سارے دینوں کی مدار علیہ ہے اگر اس سے انکار کر دیا جائے تو ساری شریعتوں کا کارخانہ ہی درہم برہم ہو جاتا ہے۔ شائد اس لئے خبر فرد کے ثبوت کے لئے قرآن نے خود اپنی آیتوں تک کا تواتر پیش کر دیا ہے جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے اور اس لئے خبر فرد کا ماننا دوسری ساری واجب التسلیم خبروں کے ماننے سے کہیں زیادہ ضروری اور قطعی ہے۔ بلکہ غور کیا جائے تو انبیاء کی انفرادی روایتوں اور اخبار فرد سے صرف اصولاً ہی خبر فرد کا ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ کلام رسول کی حیثیت سے بھی خبر فرد کا ایک واقعی حقیقت اور حجت ہونا ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ انبیاء سابقین کی یہ خبریں جہاں خبر فرد تھیں وہاں حدیث رسول ہی نہیں۔ کیونکہ کسی نبی کو بجز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلامی معجزہ نہیں دیا

گیا جس کے الفاظ بھی منزل من اللہ ہوں صرف مضمون ہی منزل
 من اللہ ہو پس وہ مضامین الہی جو عامۃ قلوب انبیاء پر الہام کئے
 جاتے تھے جنہیں وہ اپنے الفاظ میں اُمت کو سنا دیتے تھے ان
 کی یہ روایتیں لمحاظ الفاظ درحقیقت حدیث رسول ہوتی تھیں اور ان کا
 وہی پلمہ ہوتا تھا جو اسلامی شریعت میں حدیث رسول کا ہے اس
 لئے انبیاء علیہم السلام کی ان انفرادی خبروں سے نہ صرف خبر فرد ہی
 کا اصولی ثبوت قرآن سے ملاحظہ عین حدیث رسول کے حجت ہونے کا
 ثبوت بھی سامنے آگیا جو ایک کی روایت سے اُمت تک پہنچی ہو پس نبی
 کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تمام خبریں جو قرآن کے علاوہ آپ نے
 بصورت حدیث صحابہ کو سنائیں بجز خبر فرد کے اور کیا تھیں؟
 بعد میں راویوں کے عدد کی قلت و کثرت کے سبب وہ مشہور و
 متواتر بنتی گئیں لیکن اپنی ابتداء میں تو یہ سب خبر فرد ہی تھیں
 اس لئے خبر فرد اپنے نوع بنوع ثبوت کیساتھ قرآن کی نصوص
 سے سامنے آ جاتی ہے۔

رسول کی روایت و صف رسالت الگ ہو کر
 اصول روایت کی رو سے بھی حجت ہے

لیکن
 خبر فرد
 کی اس

نوع میں جو پیغمبر کی واحد اطلاع سے سامنے آئے ممکن ہے کہ کسی کو وہی شبہ ہو جو جبریل علیہ السلام کی خبر میں ہوا تھا اور یہ کہہ دیا جائے کہ رسول کی شخصیت ایک غیر معمولی شخصیت ہے اُن کے وصف رسالت کی عظمت کا ایک قدرتی دباؤ قلوب پر ہوتا ہے۔ خواہ وہ رسول ملکی ہو یا رسول بشری اس لئے اُن کی خبر کا ماننا درحقیقت رسالت کے دباؤ کا اثر ہے اصول فن کا تقاضہ نہیں اور نہ فنی حیثیت سے وہ قرآن سے ثابت ہوتی ہے گویا رسول ملکی کی طرح رسول بشری کی خبر فرد بھی کوئی فنی یا اصولی خبر فرد نہیں کہ ان نظیروں سے اسے قرآن سے ثابت شدہ مانا جائے مگر میں عرض کروں گا کہ یہ شبہ بھی انکار حدیث کی طرح قرآن حکیم سے ناواقفیت اور اس میں غور نہ کرنے کے سبب پیش آیا ہے۔ قرآن نے کہیں بھی کسی پیغمبر کی خبر فرد کو محض پیغمبری یا رسالت کے دباؤ سے منوانے کی کوشش نہیں کی بلکہ صرف اصول روایت اور فنی قواعد کے لحاظ سے ہی اس کے ماننے اور واجب التسلیم سمجھنے پر زور دیا ہے چنانچہ جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر فرد کی قرآن نے توثیق کی ہے وہ وصف رسالت کی وجہ سے نہیں بلکہ اصول روایت کی رو سے کی ہے ارشاد ہے۔

والنجم اداہری ماضل صاحبکہ قسم ہے اطلاق ہستارہ کی خوب و خوب ہونے کے یہ تمہارے
وما عری وما ينطق عن اہری ان (ہم وقت) ساتھ کے رہنے والے نہ ہو (حق) سے بھٹکے
اور غلط راستہ ہو گئے اور نہ ہی اپنی خواہش نفسانی
ہوا لا وحی یوحی
سے باتیں بناتے ہیں ان کا ارشاد وحی وحی ہے جو
ان پر بھیجی جاتی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ خبر فرد جو تن تنہا حضور سے امت کو پہنچی اور قرآن
نے اُسے واجب الاعتبار ٹھیرایا تو یہ کہہ کر نہیں کہ آپ نبی اور رسول ہیں۔
بلکہ یہ کہہ کر اس روایت کے راوی میں کوئی ہمت یا مطاعن روایت
میں سے کوئی طعن موجود نہیں جو روایت کو مخدوش بنانا ہو چنانچہ
سب سے پہلے حضور سے مطاعن روایت کی نفی کی اور رسول کہہ کر نہیں
بلکہ صا حکم کہہ کر جس سے واضح ہے کہ خبر فرد کے منوالے میں رسالت
کا دباؤ دلوں پر ڈالنا مقصود نہیں پس اولاً ان مطاعن میں سے سب سے
پہلے ضلالت کی نفی کی کیونکہ بے راہ روا اور ناواقف کی بات ہرگز قابل
اعتبار نہیں ہوتی پھر عوایت کی نفی کی کیونکہ کج راہ جو کہ اوندھی
سمجھ رکھتا ہو اوندھی ہی سمجھے اور اوندھی ہی بات کہے اس کی رخصت
ہرگز لائق التفات نہیں ہوتی۔ پھر ہوائے نفسانی کی نفی کی کیونکہ
ہوا پرست خود غرض ہوتا ہے اور خود غرض کی بات متہتم
ہوتی ہے موجب سکون اور لائق اعتبار نہیں ہوتی

یہ سب وہی مطاعن روایت ہیں جن سے روایت مجروح اور
مخدوش ہو جاتی ہے۔ آخر میں ان منفی اوصاف کی نفی کی علت پر
مطلع فرمایا کہ وہ راوی کا صاحب وحی ہونا ہے جو پیغمبر کے سوا
دوسرا نہیں ہوتا اور نبوت و رسالت ایک ایسا اعلیٰ مقام ہے کہ اس
کے ساتھ ضلالت و غواہیت اور ہوا و نفس کبھی جمع نہیں ہو سکتی پس
نبوت کے وصف کو اول تو صراحتاً ذکر ہی نہیں کیا گیا اور وحی کے
لفظ سے کنایہ اگر ذکر بھی فرمایا تو منصب کی حیثیت سے نہیں بلکہ
مطاعن روایت کے دفعیہ کے سلسلے میں بطور علت دفع ذکر فرمایا کہ
جس ذات میں وحی و نبوت موجود ہیں وہاں ضلالت و غواہیت اور ہوا
نفس کا کیا کام جس سے خبر غیر معتبر ہو جائے اس سے صاف واضح
ہے کہ خبر فرد کے اعتبار و حجیت کو وصف رسالت کے دباؤ سے نہیں
منوایا جا رہا ہے بلکہ رسول کی روایت کو معیار روایت پر پورا پورا اتارنے
اور اصول روایت کی رو سے مطاعن روایت سے پاک ہونے کی
وجہ سے واجب الاعتبار قرار دیا جا رہا ہے تاکہ خوب واضح ہو جائے
کہ رسول کی روایت وصف رسالت سے الگ ہو کر اصول روایت
کی رو سے بھی واجب الاعتبار و حجیت و سند ہے اور ظاہر ہے کہ
رسول کی یہ خبر جس کے نطق کی اس آیت میں اطلاع دی گئی ہے

خبر فرد ہے تو خبر فرد کے وجود اور حجت کا واضح ثبوت اصول
روایت کی رو سے بھی تشریح سے مکمل آیا۔

خبر فرد کا ثبوت قرآن نے غیر
انبیاء کی نوع سے بھی دیا ہے

لیکن اس پر بھی اگر کوئی
یہی کہے جائے کہ رسول
کی بہر حال غیر معمولی شخصیت

ہے اس لئے عمومی اور

معمولی شخصیتوں کی خبر فرد کا ثبوت تو معمولی ہی قسم کی شخصیتوں کی
روایت سے ہو سکتا ہے نہ کہ پیغمبروں کی غیر معمولی شخصیتوں سے۔ تو میں
عرض کروں گا کہ قرآن نے اس کے بارے میں بھی ہمیں روشنی بخشی
ہے اور خبر فرد کا ثبوت غیر رسول اشخاص سے بھی نظم قرآنی میں موجود
ہے ارشاد ہے :-

وَجَاءَ سِرَاجٌ مِنْ أَقْصَا الْمَدَائِنِ لَيْسَ

قَالَ يٰمُوسَى إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ

لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنَّ لَكَ مِنَ النَّاسِ

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ

قتل کر دیں سو آپ چل دیجئے میں آپ کی خبر خواہی

کر رہا ہوں۔ پس موسیٰ وہاں سے نکل گئے

خوف اور وحشت کی حالت میں

ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو خبر دینے والا پبلک کا ایک معمولی آدمی ہے
 موسیٰ علیہ السلام نے اس کی خبر مان لی جو بلاشبہ ایک فرد کی روایت
 تھی جماعت کی نہ تھی اور اس سے اثر بھی لیا قلب پر تو خوف کا اور
 ظاہر پر خروج کا۔ فخرج منها خائفًا اس خبر فرد کو موسیٰ علیہ السلام نے
 مانا اور اس سے اثر اس لئے لیا کہ راوی میں کوئی طعن مطاعین روایت
 میں سے محسوس نہیں کیا چنانچہ اس نے اپنی روایت کی توثیق خود یہ
 کہنہ کی کہ اِنِّیْ لَمِّنَ الصَّٰحِّیْنَ (میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں)
 اس کا حاصل یہ ہوا کہ میں یہ خبر ہوائے نفس یا کسی کے بہ کائے سکھائے
 سے غلط نہیں دے رہا ہوں بلکہ آپ کا خیر خواہ ہوں اور مخلصانہ طریق پر
 مطلع کرنے آیا ہوں۔ ظاہر ہے کہ اوصاف راوی کے سلسلہ میں سب
 سے بڑا وصف بے لوثی ہے جس سے خبر کی پوزیشن صاف ہوتی ہے۔ پس
 شخص واحد روایت کرے جو پیغمبر نہیں اور پیغمبر اس کی روایت کو قبول کرے
 اس سے اثر لے یعنی غیر نبی کی روایت کو مان لے تو کیا اس سے بھی
 بڑھ کر خبر فرد کے ثبوت اور اس کی حجیت کے معتبر ہونے کا کوئی اور
 ثبوت ہو سکتا ہے؟ کہ وہ غیر نبی کی خبر ہو اور نبی کی قبول کردہ ہو۔ حالانکہ
 نبی کی ثقہ وعدالت کے سامنے غیر نبی کی ثقہ وعدالت کوئی چیز
 ہی نہیں سمندر اور قطرہ کی بھی نسبت نہیں لیکن پھر بھی فرد واحد

کی روایت اس لئے مان لی گئی کہ روایت اصول روایت کے مطابق
 تھی راوی مستہم نہ تھا مجروح نہ تھا اور ہوائے نفسانی سے خبر نہیں دے
 رہا تھا بہر حال خبر فرد کا ثبوت قرآن نے ایک طرح سے نہیں بلکہ مختلف
 اندازوں سے پیش کیا ملائمہ کی نوع سے لیکر انبیاء تک اور انبیاء کی نوع
 سے لیکر غیر انبیاء کی نوع تک کی نظیریں اس بارہ میں پیش کیں جس
 سے اندازہ ہوتا ہے کہ خبر واحد کی اس قسم خاص (خبر فرد) کے اثبات میں
 قرآن کو بہت زیادہ اہتمام ہے گویا منکرین حدیث کے برعکس اور
 علی الرغم قرآن اس خبر کے اثبات پر زیادہ زور دے رہا ہے جس سے
 منکرین زیادہ گریزاں ہیں یعنی خبر فرد جسے وہ قابل التفات بھی سمجھنا
 نہیں چاہتے اگر کسی حد تک کچھ مانتے ہیں تو خبر متواتر کو تو کچھ مان لیتے
 ہیں جس کے لئے قرآن نے اپنی کوئی خصوصی نص بھی پیش نہیں کی
 صرف اپنے کو پیش کر دیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ منکرین
 حدیث دراصل منکرین قرآن بلکہ دشمنان قرآن ہیں اور یہ بھی کہ
 قرآن ان کا دشمن اور ان سے گریزاں ہے۔ وہ اگر خبر فرد کو بالکل ہی نیا مینا
 کر دینا چاہتے تھے تو قرآن نے اسی کو اپنی آیتوں کے عددی تواتر سے
 ثابت کیا اور وہ متواتر کو ماننا چاہتے تھے تو اس کے اثبات کا کچھ زیادہ
 اہتمام نہیں کیا بہر حال خبر فرد کے سلسلہ روایت میں کچھ خصوصی

اہمیت ہے جس کی طرف قرآن حکیم نے کئی کئی اندازوں سے توجہ دلائی
فاسق کی خبر کو کلیتہً رد نہیں کیا گیا | حتیٰ کہ قرآن حکیم نے
 خبر فرد کے اثبات میں

اسی پریس نہیں کر دی کہ ملائکہ انبیاء اور عوام کی خبروں کے ہی نظام پر
 پیش کر دیئے ہوں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یوں کہنا چاہیے کہ اور زیادہ
 تنزل کر کے فاسق کی خبر فرد کا بھی اعتبار کر لیا اور اسے بھی کلیتہً رد نہیں
 کیا بشرط البتہ تبیین و تحقیق کی لگاؤ کی کہ تحقیق اور چھان بین کے بعد
 اسے بھی قبول کر سکتے ہو۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ
 جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا
 أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِمَجْهَالَةٍ فَتُحْجُوا
 عَلَيْهِمْ فَاغْلَبَتْكُمْ ذُنُوبُكُمْ
 اے ایمان والو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق
 خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو ایسا کہ ناواقف
 میں کسی قوم پر تمہیں مصیبت ڈھانڈ اور پھر اپنے
 گناہوں پر کھپتاؤ۔

اس سے واضح ہے کہ شخص واحد کی خبر اس کے فاسق ہونے
 کے باوجود بھی معتبر اور حجت ہونے کی شان رکھتی ہے بشرطیکہ تحقیق میں
 آجائے اور حجت بھی ایسے اہم معاملات میں جن کے بگڑ جانے کی صورت
 میں ندامت اٹھانی پڑے جو کسی اہم اور بڑے ہی معاملہ کی
 شان ہوتی ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ شخص واحد کی خبر بھی شرعی

اصول پر قابل رو یا غیر معتبر نہیں بلکہ تبیین و تحقیق کے بعد معتبر اور بڑے
بڑے معاملات میں حجت ہو جاتی ہے جس پر دیا نٹا معاملہ کا فیصلہ ہو جاتا
ہے رو کا اگر گیلیا ہے تو قبل از تحقیق اس پر عمل کرنے سے نہ کہ مطلقاً۔
ورنہ یوں کہا جاتا کہ فاسق اگر کوئی خبر لائے تو ہرگز اس کی بات کا اعتبار
مت کرو نہ یہ کہ تحقیق کے بعد اسے مان لو اور معتبر سمجھو پس تحقیق کی شرط
اس لئے لگائی گئی کہ خبر دہندہ اور روایت کنندہ کے فسق و فجور سے
اس کی خبریں جو بے اعتباری کی گنجائش پیدا ہو گئی تھیں وہ ختم
ہو جائے اور خبر قابل اعتبار بن جائے مگر خبر بہر حال وہ ایک ہی کی
رہے گی اس لئے صاف ثابت ہوا کہ ایک کی روایت معتبر اور معاملات
میں حجت ہے۔ اب اگر خبر دینے والا فرد فاسق بھی ہو بلکہ غیر مہتمم غیر
مجرد و سچ ہو جیسے رجل یسعی کی خبر تو وہ بلا تبیین بھی اس اصول سے
قابل قبول بن سکتی ہے اور اگر راوی غیر مجرد و سچ ہونے کے ساتھ ساتھ
عادل و متقی متدین اور امین بھی ہو جیسے ملائکہ و انبیاء اور صلحاء تو اس
اصول پر اسکی بلا واسطہ خبر کو معتبر ماننے کے لئے قطعاً تبیین و تحقیق
کی ضرورت نہیں رہنی چاہیے لیکن اگر وسائط کی وجہ سے اس پر
بھی تحقیق و تبیین کر لی جائے تو پھر تو یہ خبر بطریق اولیٰ واجب الاعتبار
بن جائے گی مگر بہر صورت رہے گی خبر فرد ہی اس لئے خبر فرد جسے

خبر غریب بھی کہتے ہیں قرآن کی رو سے معتبر اور حجت ثابت ہوگی
 گو اس کی حجیت درجہ ظن ہی کی حد تک ہو کہ ظنیات بھی شرعاً
 حجت اور معاملات میں قانوناً مؤثر ہوتے ہیں کیونکہ ظنیات کے
 معنی و ہمیات کے نہیں۔ بلکہ صرف اس کے ہیں کہ خبر پر وثوق و
 اعتماد کے ساتھ جانب مخالفت کا احتمال بھی باقی رہے نہ یہ کہ اصل
 خبر بے اعتبار اور قابل رد ہو جائے۔ البتہ اس کی ساتھ اگر اس راوی
 واحد کی روایت کی جو ثقہ اور عادل ہے تحقیق بھی کر لی جائے یعنی اس
 خبر کے متابعات و مؤیدات اور شواہد و قرائن بھی فراہم ہو جائیں تو پھر
 اسی خبر فردے ظن اس حد تک بھی ہو سکتا ہے کہ وہ یقین کی حد
 سے جا ملے۔ اور ایسی خبر اگر قطعیت کے ساتھ درجہ یقین تک نہ پہنچے
 گی تو شبہ یقین تک ضرور پہنچ جائے گی۔ جس کا نام اصطلاح میں
 غلبہ ظن ہے سو ایسی خبر اصول و آئین کی رو سے نہ رد کی جاسکتی
 ہے نہ غیر معتبر ٹھہرائی جاسکتی ہے جبکہ قرآن خبر فرد کے سلسلہ میں
 ایک فاسق کی خبر کو بھی کلیتہً غیر معتبر نہیں ٹھہراتا بلکہ
 بعد بتین اسے معتبر قرار دیتا ہے تو ایک ثقہ اور عادل کی خبر کو اس
 قرآنی اصول کی روشنی میں کیسے رد کیا جاسکتا ہے؟ اس لئے
 خبر فرد اور اس کی حجیت کا ثبوت آیات بالا سے بہت کافی وضاحت

کے ساتھ ہو جاتا ہے اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خبرِ فرد کی حجیت کا منکران ساری آیتوں کا منکر ہے جسے بلاشبہ منکرِ قرآن کہا جائے گا۔ اور نہ صرف منکرِ قرآن بلکہ تمام کتبِ سماوی اور تمام اخبارِ ملائکہ و انبیاء کا منکر ثابت ہو گا عیاذ اللہ۔

خبرِ غریب اور متواتر اور عزیز و مشہور کا
ماخذِ قرآن ہے تو بقیہ اقسام جو ان
چاروں کی فروع ہیں ان
کا ماخذ بھی قرآن ہو گا!

بہر حال عدد کے
محاط سے جبکہ یہ
چار قسمیں حصر
کے ساتھ اساسی
اور معیاری ثابت
ہوتیں تو اس کا
قدرتی مقتضایہ

ہے کہ اس نوع کی بقیہ اقسام ان چار قسموں کی فروع ہوں اور ان کے ثبوت کے ضمن میں خود بھی ثابت شدہ سمجھی جائیں وجہ یہ ہے سلسلہ سند میں راویوں کی قلت و کثرت کا وہ عدد جس سے حدیث کی بنیاد کی قسمیں بنتی ہیں ایک سے شروع ہو کر چار ہی پر ختم ہو جاتا ہے اور چار ہی اساسی قسمیں بن جاتی ہیں جیسا کہ ابھی گزرا کہ ایک ایک راوی کی روایت ہو تو خبرِ غریب دو دو کی ہو تو خبرِ عزیز تین تین کی ہو

تو خبر مشہور اور تین و چار کی قید سے بالاتر ہو کر اتنے ثقہ اور عادل راویوں سے منقول ہو کہ ان کا جھوٹ پر جمع ہو جانا عاودہ محال ہو تو خبر متواتر ہے۔ حدیث کی یہی چار قسمیں بلحاظ عدد روایات تمام اقسام کی جڑ بنیاد ہیں۔

چار سے زیادہ والی روایت ہو تب بھی اپنی چار کی فرع ہوگی اور ایک سے کم والی روایت ہو تب بھی ان ہی چار کی شاخ کہی جائیگی کیونکہ یا وہ چار پر اضافہ ہو گا یا چار کا نقصان دونوں صورتوں میں نسبت ان چار ہی سے باقی رہے گی جس سے یہ کمی بیشی پہنچانی جائیگی مثلاً اگر راویوں کا عدد چار سے بڑھ جائے اور اوپر سے نیچے تک جماعتیں روایت کریں تو وہ تو اترا طبقہ ہو جائے گا جو قرآن کریم کی روایت کی شان ہے۔ مگر یہ خبر متواتر ہی کی ایک نوع اور قسم کہلائے گی۔ خبر متواتر سے الگ کوئی مستقل قسم نہ ہوگی کیونکہ کسی شے پر اضافہ اس شے ہی کا تتمہ کہلاتا ہے جو اس کے تابع ہوتا ہے نہ کہ اُس سے الگ مستقل نوع۔ اسی طرح ان روایتوں میں سے ایک ایک راوی والی روایت میں سے اگر کہیں ایک سے بھی عدد گھٹ جائے جس ایک سے خبر غریب بنتی تھی تو وہ روایت رتبہ میں خبر غریب سے کم سہی مگر خبر غریب ہی کی شاخ کہلائے گی مثلاً اگر ابتداء سند میں (جو ہماری)

جانب ہے) ایک راوی کم ہو جائے تو وہ حدیث متعلق کہلائے گی۔
 انتہاء سند میں (جو صحابی کی جانب ہے) ایک راوی گھٹ جائے تو وہ
 مرسل کہلائے گی اور درمیان میں سے گھٹ جائے تو معطل کہلائے گی
 مگر یہ تینوں قسمیں خبر غریب ہی کی شاخ شمار ہونگی کیونکہ یہ سب وہی
 ایک ایک راوی والی روایتیں ہیں جن میں کہیں کہیں ایک سے بھی
 عدد گھٹتا گیا ہے پس مذکورہ بالا چار کے عدد پر اضافہ سے پیدا شدہ قسم
 متواتر کی قسم ہوگی اور ایک کی کمی سے پیدا شدہ قسم غریب کی قسم ہوگی
 اس لئے جو ماخذ خبر غریب اور خبر متواتر کا ہوگا وہی ان فروعی اقسام کا
 بھی ہوگا کیونکہ یہ نئی اقسام نہیں بلکہ وہی خبر غریب اور خبر متواتر ہیں
 جن میں فرق اگرچہ ہے تو عدد کی قلت و کثرت کی وجہ سے صفات اور
 احکام کا ہوا ہے خبر کی ذات کا نہیں ہوا ذات خبر کی وہی کی وہی
 ہے جسے غریب یا متواتر کہا گیا تھا اور یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ خبر غریب
 اور متواتر اور عزیز و مشہور کا ماخذ قرآن ہے تو ان کی فروعیات کا ماخذ
 بھی قرآن ہی ہوگا جب کہ یہ فروعیات ذرا سے صفاتی فرق سے بعینہ
 وہی اصل ہیں اس لئے بے تکلف دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ عدد روایات
 کی قلت و کثرت سے پیدا ہونے والی تمام اقسام حدیث قرآن سے
 ثابت ہیں کیونکہ جب ان کے اصول قرآن سے ثابت ہیں تو یہ فروع

بھی یقیناً قرآن مجید ثابت ہیں۔ بالخصوص جبکہ یہ قسمیں بجنسہ وہی
اصل قسمیں ہیں فرق ذات کا نہیں صرف شئون و صفات کا ہوا ہے۔

پھر قرآن حکیم

نے اسی پر بس

نہیں کی کہ عدد

روایات کے لحاظ

اوصاف روایت کے اعتبار
سے حدیث کی چار قسمیں

ہی سے حدیث کی اساسی قسموں پر روشنی ڈالی ہو بلکہ حدیث کی
ان بنیادی قسموں کی طرف بھی اصولاً راہ نمائی کی ہے جو راویوں کے
کے لحاظ سے نہیں بلکہ ان کے اوصاف کے لحاظ سے پیدا ہوتی ہیں
اور اپنی نوع کی بقیہ اقسام کے لئے معیار و منشا کی حیثیت رکھتی
ہیں چنانچہ حدیث کی دوسری تقسیم اوصاف روایت کے لحاظ سے
کیجاتی ہے اور انہی اوصاف کے معیار سے راوی کے ثقہ غیث ثقہ
معتبر غیر معتبر اور پھر اعتبار کے متفاوت درجات اعلیٰ و ادنیٰ کا فیصلہ کیا
جاتا ہے سو ان اوصاف کی بنیادیں بھی قرآن کریم ہی نے قائم کی ہیں۔

جیسا کہ عددی روایتوں میں راویوں کی معیاری تعدادیں بھی قرآن ہی نے معین کی ہیں۔

چنانچہ پہلے اس پر غور کیجئے

کہ راوی کے وہ تمام اوصاف

دو اصولی صفات اور ضبط

جو لحاظ روایت اسکی قبولیت کا معیار بن سکتے ہوں وہ اصولی صفات کی طرف راجع ہوتے ہیں۔ عدالت اور ضبط اگر روایت کے راوی عادل ہوں جن میں عدالت کا فقدان یا نقصان نہ ہو اور ادھر وہ ضابطہ ہوں جنہیں حفظ و ضبط اور لقیظ و بیداری کا نقصان یا فقدان نہ ہو اور قلت عدالت و ضبط سے جو کمزوریاں راوی کو لاحق ہوتی ہیں جنکی تفصیل آگے آتی ہے ان سے راوی پاک ہوں اور ساتھ ہی سند مسلسل اور متصل ہو تو وہ روایت صحیح لڑا ہے کہلائیگی جو اوصاف راوی کے لحاظ سے روایت کا اعلیٰ مرتبہ ہے کیونکہ اس میں عدالت و ضبط مکمل طریق پر موجود ہے جو راوی کو ثقہ اور معتبر ثابت کرتا ہے۔ اس لئے اس دائرہ میں حدیث کی یہ قسم بنیادی اور اساسی کہلائیگی اس کے بعد جو قسم بھی پیدا ہوگی وہ ان اوصاف کی کمی بیشی اور نقصان یا فقدان سے پیدا ہوگی اس لئے وہ اسی خبر کی فرع کہلائے گی۔

نُقْضَانُ وَفُقْدَانُ عَدَالَتِ
مثلاً اگر راوی ساقط العدالت ہو تو اس نقصان عدالت

یا فقدان عدالت سے پانچ اصولی کمزوریاں پیدا ہوتی ہیں جنہیں مطاعین حدیث کہا جاتا ہے کذب ہمت کذب فسق جہالت بدعت یعنی راوی کا ذہن ہو یا کذب کی ہمت لئے ہوئے ہو یا فاسق ہو یا جاہل و نادان ہو یا بدعتی ہو تو کہا جائے گا کہ وہ عادل نہیں اس لئے اسکی روایت کا کوئی اعتبار نہیں

نقصان و فقدان ضبط

اسی طرح اگر راوی مضابط نہ ہو

تو اس نقصان حفظ یا فقدان

حافظہ سے بھی پانچ ہی کمزوریاں پیدا ہوتی ہیں جو روایت کو بے اعتبار بنا دیتی ہیں۔ فرط غفلت۔ کثرة غلط۔ مخالفت ثقاة۔ وہم۔ ستور۔

حفظ۔ یعنی راوی غفلت شعار اور لاپرواہی ہو جس میں تیقظ اور احتیاط

اور بیدار مغزی نہ ہو یا کثیر الاغلاط ہو یا ثقہ لوگوں سے الگ ٹٹی اور مخالف

بات کہتا ہو یا وہمی ہو اُسے خود ہی اپنی روایت میں شبہ پڑ جاتا ہو یا

حافظہ خراب ہو یا بات بھول بھول جاتا ہو تو کہا جائے گا کہ یہ راوی

ضبط و حفظ کا مضبوط نہیں۔ اس لئے اس کی روایت کا کچھ اعتبار نہیں

لیکن اس نقصان عدالت و ضبط یا ان دس مطاعن کے درجات

و مراتب ہیں۔ اگر ان صفات عدل و ضبط میں کوئی معمولی سی کمی ہو مگر

روایت کے اور طریقوں اور سندوں کی کثرت سے ان کمزوریوں

کی تلافی ہو جائے تو اس حدیث کو صحیح بغیرہ کہیں گے اگر یہ تلافی اور

جبر نقصان نہ ہو اور وہ معمولی کمزوریاں بدستور قائم رہ جائیں تو حدیث

حسن لذاتہ کہلائیگی۔ اگر اس حالت میں بھی کثرت طرق سے تلافی

نقصان ہو جائے تو حدیث حسن بغیرہ کہلائے گی اور اسی نسبت سے ان

کے اعتبار اور حجیت کا درجہ قائم ہوگا۔

صحیح لذاتہ اور صارفہ کے لحاظ سے ساری اور پس اوصاف رواقہ کے
 بنیادی قسم ہے جسکی بنیاد قرآن نے رکھی ہے۔ اساسی قسمیں نکل آئیں۔
 لحاظ سے حدیث کی چار

صحیح لذاتہ - صحیح لغیرہ - حسن لذاتہ - حسن لغیرہ - اور ان میں بھی بنیادی
 قسم صرف صحیح لذاتہ ہے جو اپنے دائرہ میں سب سے اونچی قسم ہے بقیہ
 تین قسمیں اسی میں کی آ جانے سے بچاتی ہیں۔ جیسے عددی روایتوں میں
 بنیادی قسم متواتر تھی۔ اس میں کمی اور کمزوری آ جانے سے بقیہ تین قسمیں
 بن جاتی ہیں۔

پھر ان تین قسموں میں مطاعن کی کمزوریوں میں سے کوئی کمزوری
 اگر اور زیادہ بڑھ جائے تو حدیث ضعیف کی اور قسمیں پیدا ہو جائیں
 گی مثلاً اگر عدالت کی کمی کذب راوی سے ہو تو وہ حدیث موضوع
 کہلائے گی۔ تہمت کذب سے ہو تو متروک۔ جہالت راوی سے ہو تو مبہم
 یا مثلاً اگر ضبط راوی میں کمی کی وجہ سے فرط غفلت یا کثرة غلط یا مخالفت
 ثقاة کے مطاعن پیدا ہو جائیں تو حدیث شاذ کہلائے گی۔ یا وہم و
 نسبان راوی ہو تو معطل یا سومر حفظ ہو تو مختلط کہی جائے گی مگر
 یہ ساری قسمیں اگر غور کیا جائے تو انہی مذکورہ تین بنیادی قسموں بلکہ ایک
 ہی بنیادی قسم صحیح لذاتہ میں کمی اور کمزوری آ جانے اور اس کمزوری
 کے متفاوت مراتب نمایاں ہو جانے سے پیدا ہوئی ہیں اس لئے ان سب کو

اسی ایک اونچی قسم کی شاخیں کہا جائے گا۔ اس لئے جو ماخذ اس ایک قسم
 کا ہو گا وہی ان سب کا بھی ہو گا اور یہ ایک حقیقت ہے کہ خبر صحیح لذاتہ کا ماخذ
 قرآن کریم ہے۔ اول تو خود قرآن کی روایت ہی صحیح لذاتہ ہے۔ اس لئے
 بھی صحیح لذاتہ کا ماخذ قرآن ہی ثابت ہو گا۔ پھر قرآن ہی نے صحیح لذاتہ
 کی شرائط و صفات کا قانون وضع کیا ہے اس لئے بھی وہی ماخذ ہے
 چنانچہ روایت کے راویوں کے ان دونوں بنیادی اوصاف عدالت
 و ضبط کو خبر کے رد و قبول کا معیار قرآن ہی نے قرار دیا ہے۔ جو صحیح لذاتہ
 کی جوہری حقیقت ہے۔ کیونکہ قرآن نے اوصاف روایت کی یہ دو بنیادی
 نشانیں عدالت و ضبط شہادۃ میں قائم کی ہیں اور ہم سابق میں عرض کر چکے
 ہیں کہ شہادت و حقیقت روایت ہے اس لئے خبر شہادۃ کے لئے مشاہدین
 عدل و ضبط کی قید و حقیقت جنس خبر کے راوی میں قید لگائے جانے کے
 مترادف ہے۔ کیونکہ خبر ہونا دونوں جگہ قدر مشترک ہے یہ الگ بات ہے
 کہ شہادۃ قانونی خبر ہے تو اس کے راوی میں عدالت و ضبط بدرجہ کمال
 ہونا چاہیے اور روایت محض دیانتاتی خبر ہے تو اس میں ان اوصاف کی
 کمی بیشی بھی حسب تفاوت مراتب قابل قبول ہے لیکن نفس خبر کے لئے بہر حال
 راوی کا عادل و ضابطہ ہونا ضروری ہے سو قرآن حکیم نے شہادۃ کے لئے عدالت
 کی شرط تو اس آیت میں لگائی۔

وَأَشْهَدُ وَأَذِّنُ عَدْلٍ مِنْكُمْ وَأَقِيمُوا
اور دو عادل لوگوں کو اپنے میں سے

الشَّهَادَةَ لِلَّهِ
گواہ بنایا کرو اور شہادۃ قائم کرو۔

اس سے شاہد کی شہادۃ کے قبولیت کا معیار عدالت نکلا جو درحقیقت
خبر کے قبول کا معیار ہے۔

شہادۃ کے لئے دوسری شرط قرآن نے حفظ و ضبط ذکر کی کہ شاہد
کا حافظہ بھی متعمم نہ ہو جس کا اصطلاحی لقب ضبط ہے فرمایا گیا۔

وَأَشْهَدُ وَأَشْهَدُ بَيْنَ مَنْ تَرَجَّأَ الْكُو
اور گواہ بنایا کرو مردوں میں سے دو کو

فَإِنْ كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَخَلِّفُوا خَلْفَ جُلٍّ وَامْرَأَتَانِ
اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں

مِنْ تَرَضَّيْنِ مِنَ الشَّهَدَاءِ أَنْ تَهْلُ
جن کو تم پسندیدہ سمجھو۔ گواہوں میں سے

إِحْدَاهُمَا فَتَدْكِرَا إِحْدَهُمَا الْآخَرَى
ایک ان میں سے بھول جائے تو دوسری یاد دلا

دے۔

الآیہ

حاصل یہ ہوا کہ گواہوں میں اگر عورت ہو تو عورت کیلئے ایک مرد کی
جگہ دد کی قید اس لئے رکھی گئی کہ اگر ایک سے بھول چوک ہو جائے جو عورت
میں بوجہ معاملات میں زیادہ ذہیل اور بار سوخ نہ ہوتے اور عدالتی کاموں
سے سابقہ کم پڑنے کے زیادہ متحمل ہے تو دوسری یاد دہانی کا فرض انجام دے
تاکہ شہادۃ اور روایت واقعہ میں نسیان سے غلطی نہ ہونے پائے جس سے
معاملہ بگڑ جائے۔ اس سے واضح ہے کہ راوی شاید میں بھول چوک کا غالب

احتمال ہوتے ہوئے اس کی شہادۃ و روایت معتبر نہیں ہتی جب تک کہ اس احتمال
 نسیان کی تلافی کی صورت پیدا نہ ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ جب احتمال نسیان بھی
 روایت کو مخدوش کر دیتا ہے تو خود نسیان کی صورت میں تو شہادۃ و روایت
 کا اعتبار کیا ہی باقی رہ سکتا ہے۔ اس سے یہ اصول نکل آیا کہ راوی یا شاہد
 ناقص الحفظ اور قلیل الضبط ہو تو اس کی روایت و شہادۃ مقبوض نہیں ہو سکتی جس سے
 مطاعن حدیث کے دو بنیادی صفوں پر روشنی پڑ گئی کہ وہ ضمیمہ عدالت یعنی
 ظلم ہے جسے فسق و فجور کہتے ہیں۔ اور ضمیمہ حفظ یعنی نسیان ہے۔ پس یہ دونوں
 وصف جس درجہ میں بھی راوی میں ہونگے اس کی روایت مخدوش ہو جائے
 گی۔ باقی آیت کریمہ میں دفع نسیان کی مدت تک عورت کی تخصیص اس لئے
 نہیں کی گئی کہ مرد کے لئے روایت میں نسیان اور بھول چوک قابل اعتراض
 یا مطاعن روایت میں سے نہیں بلکہ اس لئے کہ عورت میں اس قسم کے نسیان
 کا مظنہ غالب ہے جبکہ عاداتاً اسے ایسے عدالتی کاموں میں پڑنے کی نوبت
 شاذ و نادر ہی آتی ہے اور ساتھ ہی اس کا معاملاتی فہم بھی اتنا اونچا نہیں
 کہ بلا امداد غیرے قابل اعتماد ہو سو یہ تخصیص واقعہ کی خصوصیت ہوئی۔ اصول
 میں تخصیص نہیں ہوئی۔ نیز جب مرد کے لئے مثنیٰ و متون کی قید لگادی گئی
 جس سے شاہد کے ساتھ طالب شہادۃ کی رضا ضروری ٹھہری اور ظاہر ہے
 کہ شاہد مرضی و پسندیدہ ہی ہو سکتا ہے جو شرائط شہادۃ یعنی حفظ و ضبط میں کمزور

اور متہم نہ ہوا اس لئے عورت کے لئے بوجہ مذکور اگر حفظ و ضبط مراعات کر لیا گیا
 تو مرد کے لئے بعنوان رضا اسکا تذکرہ فرمایا گیا اس لئے اس اصول سے جو آیت
 کریمہ سے نکلا شہادۃ کے لئے اور جبکہ شہادۃ قدی خبر ہے تو خبر و روایت کے
 لئے خواہ اس کا راوی مرد ہو یا عورت ضبط و حفظ کا وجود ضروری ہے اور یہ
 کہ سیان یا قلة حفظ روایت کے حق میں طعن اور سقوط اعتبار کا سبب ہے
 اور ہر راوی کے لئے عدالت پہلی آیت سے ثابت ہو چکی ہے تو دونوں کے لئے
 کے مجموعہ سے خود بخود نکل آیا کہ قرآنی اصول پر ناقابل رو شہادۃ اور طاعت تسلیم
 روایت وہی ہو سکتی ہے جس کے راوی عادل و ضابط ہوں اور ان میں نہ ضعف
 حفظ ہو نہ فسق عدالت پس ایسی ہی روایت کا نام محدثین کی اصطلاح
 میں صحیح لذاتہ ہے۔ خواہ اسے ایک راوی روایت کرے یا دو یا تین یا
 اس سے زیادہ اس لئے حدیث صحیح لذاتہ اوصاف رواۃ کے لحاظ سے
 اس اسی اور بنیادی قسم ثابت ہوئی جس کی بنیاد قرآن عزیز نے رکھی اور
 اس کے راوی کے اوصاف عدالت و ضبط و مشفقہ کے

قرآن نے عدالت و ضبط کیسا اچھا نکتہ نقصان و فقدان اس سے بڑھ کر مزید
 سے پیدا ہونیوالی دس کمزوریوں کی وضاحت کر دی ہے | تدبیر کیا جائے
 تو واضح ہو گا کہ قرآن نے اوصاف رواۃ کے سلسلہ کے صرف یہ دو بنیادی
 وصف ہی بیان نہیں کر دیئے جن کا نام عدالت و ضبط ہے بلکہ ان کے نقصان

وہ قدان سے جو کہ جس مطاعن روایت پیدا ہوتے ہیں ان کی طرف
 واضح اشارے فرما دیئے ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم کی سند بیان کرتے
 ہوئے حق تعالیٰ نے اس کے ابتدائی رجال پر روشنی ڈالی کہ خود حق تعالیٰ
 سے قرآن کی روایت کرنے والے تو جبریل امین ہیں اور ان سے حضرت
 خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم روایت فرما رہے ہیں اس سلسلہ الذہب
 کی کڑیوں اور ان کے اوصاف پر روشنی ڈالتے ہوئے قرآن نے فرمایا۔

اِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيْمٍ يَعْزِي قُوَّةً
 عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّتَاعٍ ثَمَرًا مِّنْ
 وَصَالِحِكُمْ يَمُخِّدُوْنَ وَلَقَدْ نَزَّلْنَاهُ بِالْاَنۡفٰقِ
 الْمُبِيْنِ وَمَا هُوَ عَلٰى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ وَّ
 مَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ۔

یہ قول ہے رسولِ کریم (جبریل) کا جو قوت والا
 ہے۔ عرشِ والے کے نزدیک ذی مرتبہ ہے
 اس کی اطاعت کی جاتی ہے۔ وہ امانت
 والا ہے۔ اور تمہارا ساتھی (محمدؐ) مجھوں نہیں
 ہے۔ اس نے جبریل کو انفی میں دیکھا ہے

اور وہ غیب کے بارے میں غیب نہیں ہے

اور نہ وہ قول ہے شیطانِ رجیم کا۔

رسولِ کریم سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں جنہوں نے قرآن کے
 ساتھ تقوّل کیا اور رسولِ اکرم کو پڑھ کر سنایا۔ پس جبریل راویِ اول ہیں
 قرآن نے یہ نہیں کیا کہ چونکہ جبریل فرشتہ ہیں تو ان کی ملکیت کی وجہ سے
 اس روایت کو واجب التسلیم سمجھو۔ گویا ان کی بزرگی کا دباؤ مان کر روایت کو مانو

نہیں بلکہ ان کی روایت کو بھی اصول روایت پر پرکھ کر ہی واجب القبول ہونے کا حکم کیا گیا ہے۔ چنانچہ جبریل سے متعلق بیان فرمودہ اوصاف میں خصوصیت سے جو اوصاف قبول روایت سے متعلق ہیں وہ تین ہیں۔ رسول۔ کریم۔ امین۔ یعنی رسالت۔ کرامت۔ امانت اور انہی تین صفوں سے چونکہ دسوں مطاعن حدیث منفی ہو جاتے ہیں۔ اس لئے جبریل کی روایت واجب القبول ہوئی نہ کہ محض فرشتہ ہونے کی وجہ سے۔ چنانچہ غور کیا جائے تو رسالت کی حقیقت علم ہے کیونکہ ہوتہ کی بنیاد ہی علم پر ہے۔ اس لئے رسالت الہی درحقیقت علم الہی ہے۔ اور جبکہ علم کی ضد جہل ہے تو جبریل امین کو رسول کہنے سے اجمہالت ان سے منفی ہو گئی جو دس مطاعن روایت میں سے ایک ہے۔

پھر ظاہر ہے کہ رسالت ہی شریعت ہے جس کے لئے اتباع و انقیاد ضروری ہے۔

فَوَحَّيْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ
الْأَمْرِ فَاتَّبَعْهَا

پھر ہم نے کر دیا ہے تمہیں (اے پیغمبر) امر کی
شریعت پر کتاب اس کا اتباع کیجئے

اور متبع کبھی مبتدع نہیں ہو سکتا اس لئے رسالت ہی کے لفظ سے بدعت بھی منفی ہو جاتی ہے۔

پھر اجمہالت ہی کا ایک شعبہ مخالفت ثقاتہ بھی ہے۔ کیونکہ جس روایت

کو بہت سے ثقہ لوگ روایت کر رہے ہوں ایک شخص اُن سب کے خلاف بالکل نئی بات کہے تو اسے حقیقت نہیں مخالفت حقیقت کا نام دیا جائے گا اور راوی کا وہم کہا جائے گا۔ وہ علم کی قسم نہیں چیل کی اقسام میں سے ہے اس لئے رسالت کے لفظ سے جب جہالت منفی ہوتی تو مخالفت ثقاہ بھی منفی ہوگئی۔ اور اسی طرح وصف رسالت سے تین مطاعن روایت منفی ہوئے۔ جہالت۔ بدعت۔ مخالفت ثقاہ۔ جرئیل کی دوسری صفت کریم بیان کی گئی ہے۔ کرامت کیلئے حسب نص قرآنی تقویٰ لازم ہے۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ
تم میں سے سب سے زیادہ کرامت والا اللہ

کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ متقی ہو۔

اور تقویٰ کے معنی حسب ارشاد قرآنی دین کے معاملہ میں تذکر ملکہ یا دداشت ذکر اور تنقیط کہیں۔

ان الذین اتقوا اذا مسهم طائف

جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں جب انہیں

مِنَ الشَّيْطٰنِ تَذٰكِرٌ وَّ اِذَا هُمْ

کوئی جماعت شیطانوں کی جھوٹی جہ تو د

مُبْصِرُونَ۔

اس سے واضح ہے کہ کریم متقی یعنی ذاکر و متذکر بھی غافل وہی سنی الحفظ

اور کثیر الاغلاط نہیں ہو سکتا ورنہ وہ ذاکر ہی کیا ہوا؟ اسلئے صفت کرامت و

فرط غفلت۔ وہم اور سوہر حفظ اور کثرة غلط منفی ہو گئے پھر تقویٰ کی ضد

فسق و فجور ہے چنانچہ عرفِ شرع اور لغت میں متقی کا مقابل فاسق آتا ہے۔

اس لئے جو کریم ہو کر متقی ہوگا۔ وہ کبھی فاسق نہیں ہو سکتا تو کریم ہی کے لفظ سے فسق کی صفت بھی منفی ہو گئی اس لئے صفتِ کرامت سے فرطِ غفلت کثرۃ غلط۔ وہم۔ سوہر حفظ اور کثرۃ فسق چاروں مطاعنِ حدیث منفی ہوئے۔

تیسری صفت امین بتائی گئی۔ جو روایت کے بارے میں اصل

اصول ہے۔ امانت ضد خیانت ہے اور خیانت فی الروایت کے

افراد میں سے کذب اور تہمت کذب کا ہونا واضح ہے اس لئے امانت کو

کذب اور تہمت کذب کی صفت منفی ہو گئی۔ پس تین مطاعن۔ جہالت۔ بدعت

مخالفتِ ثقاہ تو صفتِ رسالت سے منفی ہوئے۔ پانچ مطاعن فرطِ غفلت

کثرۃ غلط۔ وہم۔ سوہر حفظ اور فسق صفتِ کرامت سے منفی ہوئے اور

دو مطاعن کذب اور تہمت کذب صفتِ امانت سے منفی ہوئے اس طرح

حدیث کے مطاعن عشرہ کی جبرئیل امین سے نفی ہو گئی۔

ادھر مثبت انداز میں انہیں ذی قوۃ کہا گیا کہ وہ کسی سے دینے

والے نہیں کہ دب کر کچھ کا کچھ کہہ دیں اور جان بوجھ کر دباؤ سے روایت کو غلط کر

دیں پھر عند ذی العرش مکین کہا گیا۔ اگر مکین کے معنی مقیم کے ہیں تو حاصل یہ ہوا

کہ عرش والے خدا کے پاس رہتے ہیں انہیں اس سے غایت درجہ قرب ہے

بعد کا نشان نہیں اس لئے روایت کو قریب سے لیتے اور سنتے ہیں۔ بعد کی

درجہ سے جو پیش آتا ہے کہ کچھ کا کچھ سن لیں اور روایت کر دیں یہ ان سے
 ممکن نہیں۔ اس لئے ان کا قول بلحاظ روایت بھی محفوظ ہے اور بلحاظ سماع
 بھی محفوظ ہے۔ نہ سننے میں غلطی نہ کہنے اور روایت کرنے میں کوئی ادنیٰ قصور
 ہے۔ جن کو محدثین کی اصطلاح میں تحمل اور ادا کہتے ہیں یعنی تحمل روایت
 بھی مضبوط اور ادا روایت بھی مضبوط۔ اس سے محدثین کے ان دو اصولوں
 (تحمل اور ادا) کا ماخذ بھی قرآن ہی ثابت ہوا اور اگر ممکن کے معنی ذی عزت
 کے لئے جا میں تو حاصل یہ ہو گا کہ وہ عند اللہ با عزت اور بارتبہ ہیں۔ بارگاہ
 حق میں ان کا احترام ہے سو ایسا مقبول خداوندی روایت میں کتر نبوت
 کیسے کر سکتا ہے۔ ؟

پھر انہیں مطاع کہا گیا جس سے ان کی مقبولیت عامہ واضح کی گئی
 جس سے ان کی روایت کا کمال احترام نمایاں ہوتا ہے۔ گویا وہ ان کی بات
 اس درجہ مقبول ہے کہ ملائکہ کا عالم ان کی بات سننے کے اشتیاق میں رہتا
 ہے۔ خلاصہ یہ کہ عند اللہ وعند الخلق ان کی محبوبیت و مقبولیت واضح کر دی گئی جس
 سے راوی قرآن کی ذاتی پوزیشن بھی نمایاں ہو گئی اور روایت کے سلسلہ کے
 اوصاف بھی واضح ہو گئے اور ساتھ ہی ان اوصاف کی اضداد بھی منفی ہو گئیں
 تو ثابت ہو گیا کہ قرآن کی روایت جو جبرئیل امین کے ذریعہ پیغمبر تک پہنچی
 محض اس لئے واجب التسلیم نہیں کہ وہ فرشتہ کی روایت ہے بلکہ اس لئے

بھی واجب القبول ہے کہ وہ اصول روایت پر پوری اترا رہی ہے۔ ادھر قرآن کے دوسرے راوی حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں سو ان کی روایت کے بارہ میں بھی محض یہ کہہ دینے پر اکتفا نہیں کیا کہ وہ پیغمبر اور سرور انبیاء و رسل ہیں لہذا ان کی روایت کو مانو۔ بیشک قبول روایت کے لئے یہ سب سے بڑا سبب اور محرک ہے مگر ایسا کہہ دیئے جانے سے فنی طور پر اصول روایت کی روشنی میں روایت میں ثبوت نہ ہوتا جو منکر پر بھی حجت بن سکتا۔ اس لئے مقدس راوی ثانی کی توثیق بھی اصول روایت ہی کے لحاظ سے فرمائی گئی اور چار اوصاف بیان فرمائے گئے۔ تین منفی قسم کے اور ایک مثبت قسم کا۔ منفی اوصاف یہ ہیں کہ آپ مجنوں نہیں ہیں۔ ظاہر ہو کہ مجنوں کی روایت قابل اعتبار نہیں ہو سکتی جب تک کہ راوی عاقل نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ غیب کے علوم کی اطلاع میں نخل نہیں بلکہ افادہ عامہ کا جذبہ رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ علم میں نخل ہو تو آدمی اس کے اظہار میں کتر بیونت اور قطع برید کرتا ہے جس سے روایت کبھی پوری ادا نہیں اور ناقص روایت سے مفہوم پورا نہیں ہو سکتا جو روایت کا سب سے بڑا عیب اور از قسم خیانت ہے مگر جو شخصیت افادی جذبہ رکھتی ہے اور اس میں علمی نخل کا نشان نہ ہو جو اکثر ارباب کمال میں ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ ایسی شخصیت روایت کی ادا میں ہمہ وقت کوشاں اور منہمک رہے گی اور اس سے نقص روایت

کی غلطی کا ہو جانا ممکن نہ ہو گا۔ تیسرے یہ کہ یہ قرآن کسی شیطان رحیم کا قول نہیں بلکہ مقدس پیغمبر کا قول ہے۔ شیطان سرِ چشمہ ہے تمام معائب و خباثت کا اور اس کے بالمقابل پیغمبر سرِ چشمہ ہوتا ہے تمام محاسن و کمالات کا جس سے پیغمبر کی جامعیت کمالات واضح کی گئی ہے جو روایت کی توثیق کے لئے کافی دلیل ہے۔ چوتھا وصف فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے جبریل کو اپنی بیٹن

میں دیکھا ہے یعنی آپ جس راوی سے قرآن کی روایت لے رہے ہیں اس کا مشاہدہ آپ کو حاصل ہے جو روایت میں ایک بنیادی اور اہم مقام ہے پس پیغمبر میں جامعیت کمالات ثابت کر کے تو تمام ان مطاعن کی نفی کر دی گئی جو جبریل سے کی گئی تھی اور روایت جبریل کا ذکر کر کے روایت کی بنا پر مشاہدہ پر ثابت کی گئی جو اصول روایت کے لحاظ سے بنیادی چیز ہے۔

اس سے واضح ہو گیا
کہ قرآن حکیم نے نہ صرف
اوصاف روایت کے

صحیح لذاتہ سے انکار قرآن کی
سینکڑوں آیتوں سے انکار ہے

دو بنیادی اصولوں عدالت اور ضبط ہی کو سامنے کر دیا ہے بلکہ ان دو کی ضد سے جو اوصاف فہیمہ اور روایت کے حق میں کس مطاعن پیدا ہوتے تھے ان کی بھی تفصیل فرمادی۔ بالفاظ دیگر قرآن روایت کی فنی بنیادیں کہیں جن سے صحیح روایتوں کا آئینی وجود عمل میں آیا اور قرآن روایت دنیا میں

ظاہر ہوا جواب تک نہ تھا۔ ساتھ ہی محدثین کی جلالت قدر بھی واضح ہو گئی کہ انہوں نے ابن روایت کے وہ تمام اصول نکھار کر سامنے رکھ دیے جن کی بنیادیں قرآن نے قائم کی تھیں یعنی اتباع قرآن کی برکت سے ان کا ذہن ان تمام اصول روایت تک پہنچ گیا جو قرآن کے نظم میں لپٹے ہوئے بطور مخفی خزانہ کے محفوظ تھے۔ ظاہر ہے کہ جب اوصاف رواۃ کے لحاظ سے حدیث کی بنیادی قسم صحیح لذات ہے جس کے بنیادی اوصاف دو ہیں عدالت و ضبط اور ان دو کے فقدان سے اس کے متغی اوصاف دس ہیں۔ فقدان عدالت سے پاپیخ کذب۔ تہمتہ کذب۔ فسق۔ جہالت۔ بدعتہ اور فقدان ضبط سے پاپیخ۔ فرط غفلت۔ کثرۃ غلط۔ مخالفۃ ثقاہ۔ وہم۔ سوء حفظ۔ اور ان سب مثبت و متغی اوصاف کو صاف صاف قرآن حکیم نے بیان ہی نہیں کیا بلکہ ان کی بنیادیں کھیں۔ کسی کی عبارتہ النص میں اور کسی کی دلالت و اقتضا میں اور پھر ان بنیادوں پر آئی ہوئی روایتوں پر دین و دنیا کے سارے معاملات تفصیل کرنے کی بنیاد رکھی اس لئے حدیث صحیح لذاتہ کا انکار و حقیقت قرآن کی سلیکڑوں آئینوں کا انکار ہے۔ اس لئے کسی منکر حدیث کے لئے جو اتباع قرآن کا نام تہاد مدعی ہے۔ کم از کم اس روایت سے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی جس کا نام صحیح لذاتہ ہے۔

اب رہیں اس دائرہ کی دوسری انواع حدیث جن کی تفصیل بھی

گذری سو وہ اسی صحیح لذاتہ سے پیدا شدہ ہیں کیونکہ صحیح لذاتہ کے راویوں
 کے اوصاف عدالت و ضبط میں نقصان یا فقدان سے یہیں حسب
 مراتب نقصان و فقدان بنتی ہیں اس لئے یہ ساری قسمیں اسی صحیح لذاتہ کی
 شاخیں اور فروع مافی جائیں گی۔ کیونکہ ان کا وجود ہی صحیح لذاتہ کی طرف
 نسبت ہو جانے سے بنتا ہے۔ چنانچہ ان کی تعریف میں اولاً اُسی کا ذکر
 آئے گا اور کہا جائے گا کہ صحیح کے خلاف وصف کی کمی سے فلاں قسم
 بنی اور فلاں وصف کے نقصان سے فلاں قسم۔ اور ظاہر ہے کہ جب
 ان اقسام کا وجود بھی بلا صحیح لذاتہ کے ذکر کے سمجھ میں نہیں آسکتا
 تو یہ اسی کی کھلی علامت ہے کہ ان اقسام کا کوئی اپنا مستقل وجود
 نہیں بلکہ صحیح لذاتہ کے احوال و عوارض کے تابع ہے یہ احوال و عوارض
 کھٹے بڑھتے رہتے ہیں تو یہ نہیں بچاتی ہیں ورنہ نہیں ورنہ ظاہر ہے کہ جب ان اقسام
 یعنی صحیح لذاتہ اور اس کے رواۃ کے احوال و اوصاف کا مآخذ قرآن
 حکیم ہے تو ان توابع اور فروع کا مآخذ بھی قرآن ہی مانا جاوے
 گا ورنہ ان کی ثابت شدہ تبعیت اور فرعیت باقی نہ رہے
 گی۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اقسام ہی باقی نہ رہیں گی۔ اس لئے لامحالہ
 جیسے یہ وجود میں صحیح لذاتہ کے تابع ہیں ایسے ہی ثبوت میں
 بھی اسی کے تابع رہیں گی اور اس صحیح لذاتہ کا ثبوت قرآن سے

واضح ہے جیسا کہ ابھی تفصیل سے عرض کیا گیا۔ تو ان کا ثبوت بھی قرآن ہی سے ثابت ہو گیا۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ختم کا معدن تو زمین ہو اور شاخوں کا معدن زمین نہ ہو

بہر حال ہم نے
جنس حدیث کا ثبوت

آیتہ۔ اِن عَلَيْنَا
بَيَانُهُ سے

پیش کیا تعداد
رواۃ کے لحاظ

سے حدیث کی چار
بنیادی قسموں میں

قرآن نے دنیا کو روایت و

حدیث کے موضوع سے آشنا

کیا ہے جس پر وہ خود اور اس کا بیان

(حدیث) قائم ہے

سے ایک قسم متواتر کا ثبوت مجموعہ قرآن کی روایت اور پھر قرآن کے قرآن ہونے کی خبر سے پیش کیا۔ جس کے ضمن میں جنس حدیث اور نفس روایت کا بھی مکرر ثبوت ہو گیا اور پھر ان چار میں سے بقیہ تین قسموں۔ خبر مشہور خبر عزیز۔ خبر غریب کا ثبوت الگ الگ صریح آیات سے پیش کیا جس سے اندازہ ہو جانا چاہیے کہ راویوں کی عددی

قلت وکثرة اوزر وحدة وتعدد کے معیار سے روایت کی جو بنیادی قسمیں بنتی ہیں اور محدثین نے فن مصطلحات الحدیث میں ذکر کی ہیں ان سب کی بنیادیں قرآن حکیم ہی کی قائم کردہ ہیں۔ پھر اسی طرح راویوں کے وہ اوصاف و اخلاق جن سے ان کی روایت قابل قبول بنتی ہے اور پھر ان میں بھی وہ مرکزی صفات جن کی طرف تمام اوصاف رواۃ رجوع رکھتے ہیں۔ قرآن حکیم ہی نے معین فرمائے۔ اور وہ عدالت اور ضبط ہیں۔ جس کے لئے دو واضح آیات پیش کی گئیں۔ پھر ان کے نقصان و فقدان سے جو دس مطائین پیدا ہوتے ہیں ان کی اصلیں بھی قرآن ہی نے قائم کیں۔ غرض حدیث کی روایت کے اصول و فروع کی تاسیس قرآن نے کی۔ جس سے نمایاں ہو جاتا ہے کہ حدیث کی جنس ہی نہیں بلکہ اس کی بنیادی قسموں اور اساسی اوصاف تک کی بنیاد بھی قرآن حکیم ہی نے رکھی ہے۔ اور کیوں رکھی؟۔ جواب یہ ہے کہ خود اپنی ہی ضرورت سے اُسے اپنی شرح و تفسیر منظور تھی تو اس نے روایت و خبر اور حدیث کے موضوع سے دنیا کو آشنا

کیا جس سے اقوام عالم بے خبر تھیں۔ وہ نہیں جانتی
تھیں کہ روایت و سند کیا چیز ہے؟ اس کے صحت
و سقم کا معیار کیا ہے؟ عدد کیا ہے؟ اور صفہ کیا
ہے؟ اور اس کے معیار سے طبعی طور پر کتنی قسمیں بن سکتی
ہیں۔ جس میں سے بعض بعض سے پیدا شدہ ہو سکتی ہیں۔ ان
کے اعتبار و حجیت کے مراتب و درجات کیا ہونے چاہئیں
ان کے احکام و شرائط کیا ہو سکتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ تاکہ
اس فنی طریق روایت سے پیغمبر کے اقوال و افعال اُمت کے
سامنے آئین اور کلام الہی کی قوی و عملی تفسیریں اور دنیا
اسوۂ حسنہ سے روشناس ہو۔ اس لئے اسناد و روایت
اسلام کی ایک امتیازی خصوصیت ہے جو دوسرے مذاہب
کو میسر نہیں کیونکہ قرآن نے ہی اس طریق استناد و تحقیق اور
تبیّن روایت کی اساس قائم کی ہے جس پر وہ خود بھی قائم ہو
اور اس کا بیان (حدیث) بھی قائم ہے۔

قرآن کے نام پر سارے دین کو بے اعتبار بنانا
دشمنان اسلام کا آخری منصوبہ ہے

دشمنوں بالخصوص یہود و نصاریٰ اور ان کی نفسانی اولاد پر جو ان ہی کے رنگ پر پٹی اور ان ہی کی قے چاٹ کر پروان چڑھی اسلام کا یہ امتیازی نشان شاق ہوا تو انہوں نے حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ اُسے میٹ دینے کی کوشش کی حدیث اور اس کے ساتھ قرآن کے طریق روایت پر شکوک و شبہات وارد کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو ان کے دین سے سببدار کرنا چاہا۔ لیکن اس دین کے اصلی محافظ نے جو اس کا نازل کنندہ ہے اس کی حفاظت کی اور ان کی تمام مساعی را لگاں گئیں۔ تب انہوں نے کمالِ نفاق سے آخری حربہ قرآن کے نام پر قرآنی دین کی روایات کو بے اعتبار بنانے اور بیانِ قرآن یعنی حدیث کو دنیا سے محو کر دینے کا منصوبہ بنایا لیکن قرآن نے انھیں کھٹکار دیا۔ اور ان کی وسیسہ کاریوں کو انھیں کے موہنہ پر مار کر ان کے علی الرغم حدیث و روایت کے سلسلے میں حدیث سند حدیث مطاعن حدیث اوصاف روایات عدد روایات اس عدد کی قلت و کثرت سے پیدا شدہ اقسام حدیث اوصاف رواۃ اور ان کے قوت و ضعف کے معیار سے حاصل شدہ انواع روایت وغیرہ کا مأخذ قرآن نے خود اپنے کو بتایا۔ تاکہ کسی بواہوس کو قرآن کی آڑ لیکر خود اسی کے بیان کو بے اعتبار بنانے کی جرات نہ ہو پس روایات حدیث عددی قسم کی ہوں یا وصفی قسم کی

قرآن سے باہر نہیں جاسکتیں جب کہ قرآن ہی اُن کے حق میں ہو سکتا ہے اور وہ کسی انسان کی اختراع و ایجاد سے پیدا نہیں ہو گئیں۔ البتہ ان کے رسماء و انقباء اور ان کے احوال کی معتبر اصطلاحات علماء نے اُن کے مناسب حال خود تجویز کر لئے سو اصطلاح کی تجویز کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ حقائق بھی ان کی اختراع کردہ ہیں اور ظاہر ہے کہ جب حدیث کی قسموں کے یہ معیاری اصول اور ان کی بنیادی انواع و اقسام قرآن کی تائیس سے قائم شدہ ہیں اور وہی ان کی فروعی اقسام کا بھی بواسطہ اصول مأخذ ہے تو انکار حدیث درحقیقت انکار قرآن ہے اور حدیث کی حجیت کا انکار فی الحقیقت قرآن کی حجیت کا انکار ہے۔

یہر یہی نہیں کہ حدیث کی یہ بنیادیں ہی قرآن نے قائم کی ہیں اور وہ اُن کے حق میں صرف

حفاظتِ الہی قرآن و بیان^(۱) کی سینہ نبوی تک^(۲)

مأخذ ہی ہے بلکہ غور کیا جائے تو قرآن ہی نے حدیث کے محفوظ من اللہ ہونے کا بھی دعویٰ کیا ہے جس کے بعد انکار حدیث کی نہ صرف یہ کہ گنجائش باقی نہیں رہتی بلکہ یہ انکار پہاڑ سے سر پھوڑنے کے مترادف ثابت ہوتا ہے جس سے منکر کے ایمان میں یقیناً خلل پڑ سکتا ہے لیکن روایت و حدیث کے نظم

میں کوئی ادنیٰ خلل نہیں آسکتا وجہ یہ ہے کہ قرآن کے ارشاد کے مطابق قرآن فہمی بلا بیان کے نہیں ہو سکتی اور یہ کہ بیان ہی سے مراد خداوندی کھل سکتی ہیں اس لئے قرآن کی حفاظت کے معنی صرف اس کے الفاظ کی حفاظت کے نہیں ہو سکتے بلکہ قرآن مع بیان کی حفاظت کے ہوں گے کیونکہ قرآن حکیم میں ایک درجہ الفاظ و تعبیرات کا ہے جس کا تعلق قرآنہ خداوندی اور پیغمبر کی لسانی حرکت سے ہے اور ایک درجہ معانی و مطالب اور مرادات خداوندی کا ہے جس کا تعلق بیان خداوندی یا بیان نبوی سے ہے پس قرآن کے تحفظ و بقا کے معنی یہ ہیں کہ اس کے الفاظ و تعبیرات بھی محفوظ ہوں اور معانی و مرادات یعنی بیان بھی محفوظ ہو۔ ورنہ اگر الفاظ کی حفاظت ہو جائے اور معانی کی رہ جائے تو گویا نصف قرآن کی حفاظت ہوئی اور نصف غیر محفوظ رہ گیا یا معانی کی حفاظت تو کی جائے اور الفاظ و تعبیرات کی چھوڑ دی جائے تو پھر بھی وہی نصف قرآن کی حفاظت ہوئی اور نصف کی رہ گئی اس لئے مکمل حفاظت جب ہی ہو سکتی ہے جب لفظ و معنی اور قرآن و بیان دونوں محفوظ کر دیئے جائیں ورنہ ناقص حفاظت ہوگی جسے حفاظت نہیں کہا جاسکتا حالانکہ دعویٰ حفاظت کاملہ کا کیا گیا ہے جیسا کہ لفظ حافظوں کے مطلق لانے سے واضح ہے۔ اس بنا پر حق تعالیٰ نے دونوں ہی کی حفاظت

کا ذمہ لیا کہ ایک کے بغیر دوسرے کا محفوظ رہنا و ثواب کھانا۔
چنانچہ جہاں تک حضور اکرمؐ کی ذات کا تعلق ہے حق تعالیٰ نے
ان دونوں چیزوں کی حفاظت کی ذمہ داری عَلینا کے کلمہ سے فرمائی
جو اپنے اوپر لازم کر لینے کے معنی میں آتا ہے یعنی عَلینا ہی کے کلمہ سے تو قرآن
کی جمع و حفاظت کا سیئہ نبوی میں ذمہ ظاہر فرمایا۔ اور ظاہر ہے قرآن کے
معنی مائتواء کے ہیں یعنی پڑھے جائیگی چیز۔ اور پڑھے جائیگی چیز ظاہر ہے کہ الفاظ ہی ہیں
معنی نہیں ہو سکتے اس لئے ان عَلینا جمعہ و قرآن سے تحفظ الفاظ کا وعدہ
ہوا۔ پھر عَلینا ہی کے کلمہ سے حضور کیلئے ان الفاظ کے مطالب و مرادات
کھول دینے کا ذمہ لیا جسے بیان کہتے ہیں کیونکہ بیان کے معنی کھول دینے
اور واضح کر دینے کے ہیں اور واضح معانی ہی کہتے جاتے ہیں جو لفظوں
میں مخفی اور چھپے ہوئے ہوتے ہیں نہ کہ خود الفاظ کہ وہ ہر ایک حرف
شناس کے لئے واضح ہوتے ہیں اس لئے ثم ان عَلینا بیانہ سے
اس بیان کی حفاظت کی ذمہ داری واضح ہو گئی پھر ثم کا لفظ بھی اس
کی کھلی دلیل ہے کہ اس کے بعد عَلینا سے جو ذمہ داری لی جا رہی ہے
اس کا پہلی ذمہ داری سے تعلق نہیں۔ ورنہ ثم کا لانا عجیب ہو جائے
گا۔ پس عَلینا کا تکرار اور ثم سے ان دونوں میں فصل ان دو ذمہ
داریوں کو کھلے طور پر واضح کر دیتا ہے۔ ایک الفاظ و قرآن کی حفاظت

کی اور ایک بیان قرآن کی حفاظت کی ظاہر ہے کہ اس بیان کو جو
 قرآن کے بارہ میں سینہ نبوی میں ڈالا گیا جس تعبیر سے بھی
 ڈالا گیا ہو جب وہ حضور اکرمؐ کے سینہ مبارک میں کسی ملفوظ کی
 شکل میں خطور کرے تو وہ ہی حدیث نبوی ہے جس کا
 مضمون تو من اللہ ہے اور الفاظ من الرسول اور ثم علیہما
 سے اسی بیان کو سینہ نبوی میں محفوظ کر دینے کی
 ذمہ داری حق تعالیٰ نے فرمائی تو دوسرے لفظوں
 میں حدیث کے تحفظ کی ذمہ داری رسول کی ذات
 کی حد تک اللہ کی طرف سے ثابت ہو گئی۔ پس
 اگر قرآن (ما یقرآن) ضائع نہیں ہو سکتا تو بیان
 (ما یتبین) بھی ضائع نہیں ہو سکتا حق تعالیٰ نے پہلی
 چیز یعنی الفاظ تو رسول تک بذریعہ قراءۃ پہنچائے
 چنانچہ کہیں فاذا قرأناہ اجب ہم قراءۃ کرنے لگیں
 فرما کر اپنے کو قاری ظاہر فرمایا اور کہیں تلو علیک
 (ہم تم پر اے نبی تلاوت کرتے ہیں) فرما کر اپنے کو
 تلاوت کنندہ فرمایا اور دوسری چیز یعنی مراد
 و مطالب کا بیان رسول تک بذریعہ تسلیم ہو چایا۔ کیونکہ

علم کا موضوع الفاظ کو پہچانا نہیں ہوتا بلکہ الفاظ کے معانی و مطالب کا سمجھانا ہوتا ہے، اور اسی کو تسلیم کہتے ہیں چنانچہ حق تعالیٰ نے اپنے ہی کو مسلم رسول بھی فرمایا :-

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ اور ہم نے تسلیم دین تم کو وہ باتیں
وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا جو تم نہیں جانتے تھے اور تمہا تم پر اللہ
کا بڑا فضل۔

کہیں اس تسلیم کو ہدایت کے لفظ سے تعبیر فرمایا جس کا تعلق الفاظ سے نہیں معانی ہی سے ہے۔ چنانچہ کتاب الہی اور ایمان باللہ کے بارہ میں اپنا احسان جتاتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے ہی اے نبی تمہیں ایمانی مقاصد کی ہدایت کی ورنہ تم اس سے پہلے ان باتوں سے واقف نہ تھے۔ مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَهْدِي بِهِ مَنِ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا۔

بہر حال قرآن کے الفاظ اور معانی تلاوت اور ہدایت و تسلیم کے ذریعہ پیغمبر تک بحفاظت تمام پہنچ گئے اور سینہ نبوت میں جمع اور محفوظ ہو گئے۔

حفاظت الہی اس شران و بیان کی امت کی حد تک ۴

مگر سب
جانتے
ہیں کہ
شران

اُتارنے کا مقصد قیامت تک کے انسانوں کی تکمیل ہے جیسا کہ انی رسول اللہ الیکم جیعاً سے واضح ہے۔ اس لئے محض رسول کی تعلیم اور ان پر تلاوت کر دینے سے یہ مقصد عظیم پورا نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ یہ قرآن و بیان ساری امت تک اُسی حفاظت سے نہ پہنچ جائے اور تا قیام قیامت اسی طرح محفوظ نہ ہو جائے جس طرح رسول تک پہنچا اور محفوظ ہو گیا تو حق تعالیٰ نے اسی تلاوت اور تعلیم و ہدایت کا ذمہ جو رسول کیلئے خدایا تھا امت رسول کیلئے وہی ذمہ رسول کے سر عائد فرمایا کہ وہ امت کیلئے تلاوت آیات بھی کریں تاکہ الفاظ قرآنی امت تک پہنچ جائیں اور تعلیم و ہدایت کا سلسلہ بھی قائم کریں تاکہ مطالب و مرادات الہی بھی امت تک پہنچ جائیں اور اس طرح شران و بیان کے بحال امانت و دیانت آگے تک پہنچتے رہنے کا سلسلہ قائم فرمادیں چنانچہ رسول کی ذمہ داریاں ظاہر کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

لقد من الله على المؤمنين اذ بعث فيهم
رسولا منهم يتلو عليهم اياته، ويزكيهم
ويعلمهم الكتاب والحكمة وان
كانوا من قبل لفي ضلال مبين۔
واخرين منهم لما يلحقوهم
وهو العزيز الحكيم۔

تحقیق احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے
مومنین پر جبکہ ان میں اپنی میں سے ایک رسول
بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات تلاوت
کرتا ہے ان کو پاکیزہ بناتا ہے اور انہیں
کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اگرچہ وہ
اس سے پہلے کھلی گمراہی میں اور

دوسرے ان لوگوں میں جو اب تک ان
سے ملے ہیں۔ اور وہ غالب مکت دالہ ہے

اس میں وہی تلاوت اور تعلیم کی ذمہ داری رسول پر ڈالی گئی ہے جس کی
ذمہ داری رسول تک پہنچانے کی خود حق تعالیٰ نے لی تھی یہاں
تک تو رسول پر منصبی ذمہ داری عائد کر دیئے جانے کی اطلاع تھی۔
لیکن یہ کہ رسول نے ذمہ داری کو عملی جامہ پہنایا یا نہیں اور قرآن کے
ساتھ بیان قرآن امت تک پہنچ گیا یا نہیں؟ تو تعلیم کے بارے
میں فرمایا ریبکم ما لم تكونوا تعلمون اور تمہیں وہ تعلیم دیتا ہے اس
کی جو تم نہیں جانتے تھے) اور ہدایت کے بارے میں فرمایا۔ وانك
لتهدى الى صراط مستقيم۔ (اور آپ اسے پیغمبر البتہ ہدایت کرتے
ہیں سیدھے راستہ کی) اور ہر بیان کے بارے میں فرمایا۔

وانزلنا آیتک الذکر، تبین للناس ما نزل الیحد (اور ہم نے اسے سچمیران
 کی طرف یہ ذکر (قرآن) اتارا تاکہ آپ لوگوں کے لئے اس چیز کو کھول
 کھول کر بیان کر دیں جو ان کی طرف اتارا گیا ہے) غرض جو تلاوہ تعلیم
 بیان اور ہدایت اللہ سے رسول کی طرف آئی تھی بعینہ اسی کار رسول سے
 امت کی طرف آنا بھی ثابت ہو گیا اور خوب خوب نمایاں ہو گیا کہ قرآن
 کیساتھ ابتدائے نزول قرآن سے بیان لازم رہا ہے کیونکہ بلا بیان
 کے قرآن لفظ محض ہو گا جس کی مرادات اور مطالب کی تدبیر و
 تشخیص لوگوں کو اپنی ہوگی جو محض نظنی اور قیاسی رہ جائے گی۔ اس
 لئے تلاوہ و قرآنہ کیساتھ تعلیم و ہدایت اور بیان کی ذمہ داری خود صاف
 قرآن نے لی۔ جس سے صاف واضح ہے کہ قرآن کے الفاظ بھی منزل
 من اللہ ہیں اور معانی و مرادات بھی منزل من اللہ ہیں جن کے اظہار
 کا نام بیان ہے۔ اس لئے قرآن کے بارے میں اولین قاری حق
 تعالیٰ نے اپنے کو فرمایا جیسا کہ فاذا قرأتہ من اللہ فاعلم انہ
 قرآنہ فرمایا جاتا۔ اسی طرح بیان کے بارے میں اولین مبین اور
 اور مفسر قرآن بھی خود اپنے ہی کو فرمایا جیسا کہ ثم ان علینا بیانہ
 ظاہر ہے۔ ورنہ ثم ان علیہ بیانہ فرمایا جاتا پس اپنے ہی کو
 قاری اول اور اپنے ہی کو مبین اول فرما کر گویا اس کا دعویٰ

فرمایا کہ الفاظِ قرآن ہوں یا مطالبِ قرآن یعنی بیانِ دونوں ہمارے ہی تازل کردہ ہیں۔ ان میں سے کسی ایک میں بھی رسول کی اشاء یا ایجاد کو دخل نہیں اور دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں نہ لفظ بلا معنی مراد کے کارآمد ہیں اور نہ مراد بلا مقررہ الفاظ کے تعبیر میں آسکتی ہے۔ اس لئے قدرتی طور پر جہاں بھی نزولِ قرآن کا ذکر ہوگا وہاں نزولِ بیان بھی ساتھ ساتھ مراد لینا ضروری ہوگا کہ بغیر نزولِ معنی کے نزولِ الفاظ بے معنی ہے۔ ایسے ہی جہاں بھی حفاظتِ قرآن کا ذکر ہوگا وہاں یہ بیانِ قرآن بھی اس حفاظت میں شامل رکھا جانا ضروری ہوگا کہ بغیر حفاظتِ بیان کے قرآن کے الفاظ کی حفاظت بے معنی ہوگی۔ پس جبکہ حق تعالیٰ نے فرمایا۔

انما نحن منزلنا الذکر ہم ہی کا نے ذکر (قرآن) اتارا۔

تو اس کا یہ مطلب نہیں لیا جاسکتا کہ ہم نے صرف الفاظِ قرآن بلا معنی مراد کے اتار دیئے۔ یا معانی بلا الفاظ کے نازل کر دیئے۔ بلکہ یہی اور صرف یہی مطلب لیا جائے گا کہ پورا قرآن یعنی الفاظ و معانی کا قرآن اتارا جس کے الفاظ بھی ہمارے ہی تھے اور معانی بھی ہمارے کیونکہ ہم نے ہی اسے پڑھ کر رسول کو سنایا اور قرآنہ الفاظ کی ہوتی ہے۔ اور ہم نے ہی بیان دے کر رسول کو سمجھایا اور سمجھانا معانی مراد کا

ہوتا ہے۔ غرض یہاں ذکر سے قرآن مع بیان مراد ہوا۔ پس کہ وہ دونوں
نازل کر رہے ہیں۔ اسی طرح جبکہ اس آیت کے اگلے ٹکڑے میں قرآن
کی حفاظت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ۔

وَآتَاہُ لِحَافِظُوْنَ اور ہم ہی اس قرآن کے محافظ ہیں۔

جس میں لہ کی ضمیر اسی ذکر کی طرف راجع ہے جس کے معنی قرآن مع بیان
کے تھے تو یہاں حفاظت کے دائرہ میں بھی وہی قرآن مع بیان ہی مراد
لیا جانا ضروری ہوگا اور محافظت کا تعلق دونوں ہی سے ماننا پڑے
گا کہ قرآن اور اس کے بیان کے ہم ہی محافظ ہیں۔ ورنہ یہ حفاظت
مکمل نہ رہے گی بلکہ ادھوری اور ناقص رہ جائے گی حالانکہ آیت
میں لِحَافِظُوْنَ مطابق لایا گیا ہے جس سے اصول عربیت کے مطابق حفاظت
کا فرد کامل مراد لیا جانا ضروری ہے اور حفاظت کا ملہ وہی ہے
جو لفظ و معنی اور قرآن و بیان دونوں کو شامل ہو جیسا کہ ابھی عرض
کیا جا چکا ہے۔ اس لئے آیت کے دعویٰ کا حاصل یہ نکلا کہ ہم ہی قرآن
کے لفظوں کے بھی محافظ ہیں اور ہم اس کے معنی اور بیان کے بھی
محافظ ہیں ورنہ اس کے کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتے کہ وہ اس کے الفاظ
کے تو محافظ ہوں اور معانی کے نہیں۔ درحالیکہ الفاظ کا مقصد معنی ہوتے
ہیں جب مقصد ہی محفوظ نہ رہا تو وسائل محضہ کے محفوظ رہنے سے

فائدہ ہی کیا ہو گا؟ ایسے ہی یہ بھی مطلب نہیں ہو سکتا کہ ہم اُس کے معنی کے تو محافظ ہیں لفظوں کے نہیں درحالیکہ تعبیرات گم ہو جائیں تو معانی کی طرف رہنمائی ممکن نہیں کیونکہ بغیر الفاظ کے معانی موجود ہی نہیں رہ سکتے۔ چہ جائیکہ محفوظ رہیں۔ ہاں یہ صورت اس وقت بن سکتی تھی کہ لحاظ لفظوں کو لفظ یا معنی کیسا تھ مقید کر کے لایا جاتا تو جس کی قیہ لگی ہوتی۔ صرف اُسی کی حفاظت مراد ہوتی۔ لیکن مطلق لانے کا مطلب ہی یہ ہے کہ لفظ و معانی دونوں ہی اس حفاظت کے نیچے آئے ہوئے ہیں۔ بہر حال لفظ و معنی اور قرارۃ و بیان میں سے ایک بھی گم ہو جائے تو ذکر کی حفاظت باقی نہیں رہ سکتی جس کا دعویٰ کیا جا رہا ہے بلکہ ذکر ہی سرے سے باقی نہیں رہے گا چہ جائیکہ وہ محفوظ رہے۔

وہی حفاظت اس قرآن و	پھر جیسا کہ لحاظ لفظوں
بیان کی تاقیہ م قیامت	کا کلام اپنے مشمولات
	کی رو سے مطلق ہے
	جس میں لفظ محض یا معنی

محض مراد نہیں ہو سکتے بلکہ وہ اپنے اطلاق کی وجہ سے دونوں ہی کو شامل ہو گا۔ ایسے ہی یہ کلمہ (لحافظوں) زمانوں کے لحاظ سے

بھی مطلق ہے جس میں کسی زمانہ کی قید لگی ہوئی نہیں ہے کہ چغتائے
 لفظ و معنی صرف ماضی کی حد تک تھی یا صرف مستقبل اور حال کے
 لئے ہے بلکہ ہر زمانہ اس کے اطلاق کے نیچے داخل ہے اور حال
 یہ ہے کہ ہم ماضی و حال اور مستقبل ہر زمانہ میں اس کے محافظین
 اندر میں صورت کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اس حفاظت کو زمانہ بنوی یا
 زمانہ بھٹا یہ کیسا تھم مقید کر دے ورنہ کلام خداوندی کے اطلاق کی قید
 لازم آئے گی جو تبدیل و تحریف کے ہم معنی ہے اس لئے اس حفاظت
 الہی کا دوام بھی اسی آیت سے ثابت ہو رہا ہے۔ بہر حال قرآن کے لفظ و
 معنی کی جو حفاظت خداوندی قرآن و بیان کے ذریعہ حسب دلالت علینا جمہ
 اور علینا بیانہ رسول کی ذات کی حد تک ثابت ہوئی تھی وہی
 حفاظت الہی اس قرآن و بیان کی امت کی حد تک اور وہ بھی تا قیام
 قیامت اس آیت کریمہ سے ثابت ہو گئی۔ خواہ اس کا طریقہ محض نقل
 و روایت ہو یا خط و کتابت سو رسول کی حد تک تو یہ قرآن و بیان بھور
 الہام خداوندی روایت باطنی کے طور پر محفوظ رہا اور امت کی حد تک
 بصورت نقل و روایت ظاہری یا تحریر و کتابت کے طور پر محفوظ رکھا
 گیا۔ اس لئے اس بیان قرآن یعنی حدیث کا تحفظ من جانب اللہ
 اللہ سے رسول تک اور رسول سے امت تک اور وہ بھی تا قیامت

قرآن سے ثابت ہو گیا۔ قلید الحمد

نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر اسلام آخری اور دائمی دین ہے اور قرآن آخری و دائمی کتاب ہے تو یہ آیت حفاظت اور اس کا دعوائے حفاظت بھی دوامی اور قیامت تک ہونا چاہیئے۔ ورنہ قرآن کے ایک جز کے بھی دوامی نہ رہنے سے قرآن دائمی نہ رہے گا۔ اور جبکہ اللہ کا یہ دعوائے حفاظت قرآن و بیان دائمی مانا جائے تو فعل حفاظت بھی دوامی ہی ماننا پڑے گا ورنہ اللہ کے دعوائے حفاظت کا غیر واقعی ہونا لازم آئے گا۔ اس لئے اس حفاظت قرآن و بیان کا قیام قیامت تک وقوع میں آتا رہنا ضروری ہو گا جس سے پوری امت کی حد تک قرآن اور اس کے بیان یعنی حدیث کا قیامت تک محفوظ من اللہ ہونا خود اس آیت کی دلالت سے ہی ثابت ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ جیسے حق تعالیٰ شانہ نے اپنے کلام کے الفاظ و مرادات کو اپنی حفاظت کیسا تھ سینہ نبوت میں اتار کر جمع اور محفوظ کر دیا تھا ایسے ہی اُس کے رسول نے بھی اسی حفاظت خداوندی کی مدد سے قرآن و بیان کو سینہ امت میں منتقل فرمادیا اور اس طرح قرآن و حدیث بحفاظت الہی قیامت تک کی امت تک تمام و کمال

پہنچ گئے یا فرق امتنا ہے کہ خدا سے نبی تک قرآن و بیان بلا توسط
 اسباب محض باطنی رشتوں سے منتقل ہوا۔ اور رسول سے امت تک
 کھلے طور پر توسط اسباب منتقل ہوتے رہنے کا راستہ ہوا چنانچہ
 جس طرح حفظ قرآن کے ذریعہ قرآن کے الفاظ کی حفاظت کرائی گئی کہ
 تو اتر طبقہ کے ساتھ قرآن کی روایت کی جاتی رہی اور کی جاتی رہے گی
 اور وہ ہر قرن میں لاکھوں سینوں کی امانت بنارہا اور بنارہے
 گا ایسے ہی حفاظ حدیث کے ذریعہ حدیث یعنی اس بیان قرآن
 کی حفاظت کرائی گئی کہ حفاظت خداوندی نے انہیں مجاہد العقول
 حافظ عبادت کئے۔ انہوں نے اعجازی طور پر حدیث کے متنوں
 اور اسناد کو سلف سے خلف تک فنی طور پر پہنچایا جو دیانتاً
 ہی نہیں قانوناً بھی قابل رد یا ناقابل قبول نہیں ہو سکتیں اور حدیث
 لاکھوں سینوں کی امانت بن گئی۔ پھر جس طرح مفسرین نے قرآنی علم
 کی حفاظت کے لئے سینکڑوں مستقل علوم و فنون وضع کئے جن کا نام
 تک بتلانے کے لئے مستقل کتابیں لکھی گئیں جیسے الاتقان فی علوم
 القرآن علامہ سیوطی کی یا جواہر القرآن غزالی کی وغیرہ جس سے
 قرآنی علوم کی انواع کھلیں اور قرآن اپنی ایک ایک لفظی اور معنوی حیثیت
 سے محفوظ ہو گیا جس کی بدولت حفاظت کتمدے

ایک طبقہ نے اس کے الفاظ کی حفاظت کی جو لفظا کہلائے جو ہر
 قرن میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں رہے اور ہیں۔
 ایک طبقہ نے اس کے اعراب کی حفاظت کی اور زیر و زبر
 لگائے تاکہ حفاظ کی حفاظت الفاظ یا ضابطہ رہے۔ اس کے حروف
 کلمات رکوع اور سورتیں سب گن گن کر رکھیں اور کمال ضبط و
 حفظ گن کر محفوظ کر دیں۔

ایک طبقہ نے اس کے طرز ادا کی حفاظت کی جو قراء و
 مجودین کہلائے۔

ایک طبقہ نے اس کے طرز کتابت کی حفاظت کی جو علماء
 رسم الخط کہلائے۔

ایک طبقہ نے اس کے لغات و محاورات کا تحفظ کیا جو علماء
 مفردات کہلائے۔

پھر اس کے بیان کی روشنی میں جس کا نام سنت اور اسوۂ حسنہ ہے
 خواہ قولی ہو یا فعلی معانی کی مختلف جہات کا تحفظ مختلف طبقات
 نے اپنے ذمہ لیا اور ان حفاظتوں کو مختلف علوم و فنون کی حیثیت
 دی۔

ایک طبقہ نے تفسیر باللغۃ کی اور اس کی وجہ فصاحت و بلاغت

کو واضح کیا جو علماء عربیت کہلاتے۔

ایک طبقہ نے تفسیر بالروایت کی جوابل الاثر کے نام سے
موسوم ہوئے۔

ایک طبقہ نے اس کی جزئیات مستنبطہ کی حفاظت کی جو
فقہا کہلاتے۔

ایک طبقہ نے درایت سے اسکے عقلی پہلوؤں کو واضح کیا
جو علماء اسلام اور اہل کلام کہلاتے۔

ایک طبقہ نے اس کی کلیات و جزئیات میں سے علل احکام
کا استخراج کر کے اُسے لا اور قانون کی صورت میں پیش کیا جو ائمہ
ہدایت اور مجتہدین کہلاتے۔

ایک طبقہ نے اس کے مواعظ و حکم اور امثال و عبر کی نگہداشت
کی جو خطباء کہلاتے۔

ایک طبقہ نے اس کے وقائع اور قصص کی بتین اور تفصیل کی
جو مورخین کہلاتے۔

ایک طبقہ نے اُس کے جزئی معانی سے اصول و کلیات کا استنباط
کیا جن سے اُس کے علوم کا انضباط ہوا اور وہ مفکرین امت کہلاتے۔
ایک طبقہ نے اس سے مسائل استخراج کرنے کے لئے وجوہ استخراج منضبط

کئے اور انکی جامع اصطلاحات فاسخ و منسوخ محکم و متشابہ خاص و عام مطلق و مقید عبارت و دلالت اقتضاء و اشارۃ مجمل و مفہر وغیرہ وضع کیں جو علماء اصول کہلاتے۔

ایک طبقہ نے اس سے اقوام عالم کی ذہنیات و فطرتوں اور ان کے عروج و زوال کے سیاسی اصول منضبط کئے جو علماء اداۃ کہلاتے۔
ایک طبقہ نے اُس سے باطنی علوم و حقائق نفسیات کے انقلابی طرق اور شہود و انکشاف قواعد نکال کر ان کی حفاظت کی جو عرفاء کہلاتے۔
غرض قرآن حکیم کی لفظی اور معنوی جہت کا کوئی پہلو ایسا نہیں جسکی حیرت انگیز حفاظت نہ کی گئی ہو اور وہ بھی اس شان سے کہ کوئی طریق حفاظت اختراعی نہیں بلکہ استنباطی ہے جو قرآن اور بیان قرآن سے ماخوذ اور ہر علم و فن کے اصول کے لئے احادیث و آیات سے شواہد موجود چنانچہ ان علوم میں سے جس علم کو بھی اٹھا کر دیکھا جائے وہ کسی نہ کسی آیت یا روایت کی تفسیر نظر آتا ہے جس کے مسائل کیلئے کسی نہ کسی آیت اور حدیث سے شاہد عدل پیش کر دیا گیا ہے۔ گویا قرآن کے ان علوم کی طرف سنت نے رہنمائی کی نہ کہ ان علماء کی طبائع یا عقول محض نے اور اگر کہیں عقل صافی سے بھی کام لیا گیا ہے تو اسے نور سنت سے مستنیر بنا کر ہی قابل التفات سمجھا گیا ہے جس سے دنیا آج تک

انگشت بندہاں ہے دلو کہہ الکافرون۔

پھر جس طرح
امت کے
ہاتھوں کلام
خداوندی

حدیث کی حفاظت امت کے ہاتھوں
اور اس کے مختلف ادوار!

کی حفاظت من جانب اللہ کرائی گئی بعینہ اسی طرح بیان قرآن یعنی حدیث کی حفاظت کے لئے بھی حق تعالیٰ نے امت مرحومہ کو موفق فرمایا اور اس امت نے جس طرح تحفظ کتاب میں حیرت انگیز سعی کر کے دکھائی اس سے کہیں زیادہ سنت کے تحفظ میں سرگرمی کا حق ادا کیا۔ اور وہ کچھ کر دکھایا جو دنیا کی کوئی قوم اپنی کسی سماجی کتاب کی ساتھ بھی نہیں کر سکی۔ فرق صرف یہ تھا کہ کلام الہی کی وحی چونکہ بلفظہ نازل ہوئی تھی اس لئے وہاں الفاظ کا تحفظ بھی لازمی تھا کہ وحی ہی کلامی تھی اور معجزہ ہی کلام کا تھا۔ مگر اس وحی غیر متلو (سنت) میں معانی و مضامین تو من اللہ تھے مگر الفاظ منسزل من اللہ نہ تھے اس لئے یہاں تحفظ الفاظ بجنسہ ضروری نہ تھا بلکہ روایت بالمعنی کی بھی اجازت تھی اس لئے امت نے نفس مضمون وحی کی حفاظت پر پورا زور صرف کر دیا گو اس کے

ساتھ الفاظ کو محفوظ رکھنے کی بھی انتہائی جدوجہد کی چٹانچہ ہر حدیث کے الفاظ یا بعینہ محفوظ ہیں یا ایسے متقارب ہیں کہ قریب بعینہ کے ہیں۔ بہر حال حدیث کی غیر معمولی حفاظت من اللہ ہوئی جس کے انداز مختلف ہوئے۔

ابتداءً حفظ حدیث کا دور آیا جو دور صحابہ ہے اس وقت زیادہ تر حدیث سینوں کی امانت رہی گو اسی زمانہ میں کتابت حدیث بھی جاری ہو چکی تھی جیسا کہ متعدد روایات میں اس کی تصریحات موجود ہیں تاہم غلبہ حفظ ہی کا تھا۔ اور صحابہ نے کمال تدین و احتیاط سے اس وعدہ خداوندی کو حافظہ کی مدد سے پورا کر لیا کہ ہمارے ہی ذمہ قرآن اُٹھے بیان کی بھی حفاظت ہے۔ گویا یہ وعدہ انہی سے کیا جا رہا تھا پھر تدوین حدیث کا دور آیا جو تابعین سے شروع ہوتا ہے اور ممالک اسلامیہ کے مختلف اطراف و جوانب سے حفاظ حدیث نے کتابت حدیث کر کے حدیث کی تدوین کی۔

پھر تفرید حدیث کا دور آیا جس میں تنقیح کے ساتھ آثار صحابہ اور اتوال تابعین سے حدیث کو الگ کر کے جمع کیا گیا۔
پھر تنقید حدیث کا دور آیا جب کہ وضاعین حدیث یعنی

منکرین حدیث بصورتِ مقررین حدیث بھی کھڑے ہو گئے اور اصحاب
صالح کا وقت شروع ہو گیا جنہوں نے حدیثوں کو نکھار نکھار
کر صحیح کو ضعیف سے اصل کو موضوع سے الگ کیا اور اس لئے اسناد
پر زور دیا جانے لگا تاکہ اس کی رو سے حدیث و خبر کے اعتبار
و عدم اعتبار کا فیصلہ کیا جائے اور سند صفاتِ سند اور عدد رواقہ
کے معیار سے حدیثوں کی قسمیں کی گئیں جیسا کہ قرآن ہی نے اُس کی
بنیاد رکھ کر اصول قائم کر دیئے تھے جن کی تفصیل گزر چکی پھر اُن کے
اصطلاحی نام تجویز ہوئے۔ اور اُمت نے اپنی ذکاوت اور علمی
فراست کا ثبوت دیتے ہوئے حدیث کو فنی طور پر محفوظ کیا۔

حدیث کی حفاظت فنی طور پر
ہوئی اور اس سے مستقل علوم
و فنون بنے

بہر حال
حدیث
اپنے عہد
طفولیت
سے چلکر
قرن اول

میں محفوظ ہوئی قرن ثانی میں مدون ہوئی قرن ثالث میں
منقح ہو کر آثارِ صحابہ سے الگ ہوئی پھر قرن رابع میں تنقید

کے ساتھ نکھر کر منضبط ہوئی۔ اور پھر قرون مابعد میں مختلف ابواب پر منقسم ہو کر مرتب ہوئی۔ اور بالآخر اُسے فنی طور پر محفوظ کر دینے کیلئے امت نے علم حدیث کے سلسلہ میں تقریباً بیاسی علوم و فنون وضع کئے اور فن روایت کو ہر سمت اور ہر جہت سے ایسے محیر العقول طریقہ سے محفوظ کیا کہ اُس کا لیکٹ ایک گوشہ ایک ایکٹ علم بن گیا جس پر ہزاروں کتابیں تصنیف ہوئیں جس سے علوم حدیث مثل متن حدیث سند حدیث۔ اقسام حدیث۔ غریب الحدیث مصطلحات الحدیث۔ علل حدیث۔ مطاعن حدیث اور اسماء الرجال وغیرہ نے مستقل علوم و فنون کی صورت اختیار کر لی۔ اور حدیث کے طفیل میں کتنے ہی اہم ترین فنون روایت منظم پر آگئے جس سے حدیث کی حفاظت محض لوگوں کے حافظے یا شخصی مناسبت و سعی پر معلق نہ رہی بلکہ اصول و قواعد فن۔ قوانین و آئین اور وجوہ و دلائل کی قوت سے باضابطہ بھی اس کا تحفظ وجود میں آگیا جس کے حیسرت ناک کارنامے تاریخ کی زمین اور ملت کی عظمت بنے ہوئے ہیں۔ دلوکرا الملنکرون۔

پھر جس طرح
قرآن و بیان
کے بارے میں
حفاظت خداوندی

حفاظت قرآن و حدیث کا کوشش اور محافظ افراد کی مسلسل آمد کا وعدہ

نے یہ عظیم کوشش دکھلایا کہ امت میں حفاظ قرآن اور حفاظ حدیث نیز علمائے قرآن اور علمائے حدیث کو کھڑا کیا جو اس کے لفظ و معنی اور قرات و بیان کی حفاظت کریں۔ اسی طرح ایسے محافظ افراد کے قیامت تک کھڑے ہوتے رہنے کا اپنے سچے وعدوں سے اطمینان بھی دلایا کہ امت میں ایک طائفہ حقہ برابر قائم رہے گا جو منصورین اللہ ہوگا۔ مخالفت کرنے والے اُسے ضرر نہ پہنچا سکیں گے اور رسوا کرنے والے اُسے رسوا نہ کر سکیں گے۔ پھر یہ بھی وعدہ دے دیا کہ ہر دور میں سلف کے بعد خلف صالح پیدا ہوتے رہیں گے جو غالیوں کی تحریفوں۔ دروغ باف منکروں کی دروغ بافیوں اور جہلاور کی رکیک تاویلوں کی قلعی کھولتے رہیں گے۔ نیز یہ بھی اطمینان دلایا کہ اس سب کے باوجود پھر بھی اگر فتنی اور منکار لوگ قرآن یا بیان قرآن کے بارے میں اپنی چرب زبانیوں اور جھل سازوں سے عام قلوب کے لئے کچھ تلبیس یا التباس کا سامان پیدا کر بھی دیں گے تو ہر صدی پر مجدد آکر دین کو پھر از سر نو

نکھارتے رہیں گے۔

اور اس سے
بڑھ کر حفاظت

انواع منکرین کی من وعن خبر دیدی گئی

الہی کا ایک دوسرا عظیم کرم یہ بھی نمایاں ہوا کہ اس حفاظت الہی میں
خل ڈالنے والے رختہ اندازوں کی انواع، ان کے دجل و فریب کی صورتوں
اور ان کے ناپاک ارادوں کی من وعن خبریں بھی دے دی گئیں۔ تاکہ
امت کے اہل حق ہوشیار رہیں اور ان مکاروں کی چالاکیاں ایک
طرف کارروائی کر کے امت کو گمراہی کا شکار نہ بنا سکیں۔

چنانچہ حدیث نبوی میں مختلف قسم کے منکرین حدیث
وضعاہین کی خبر دی گئی کہ وہ مختلف صورتوں اور مختلف

اندازوں سے حدیث رسول کا اعتبار ختم کرنے کی ناپاک سعی کریں گے
ایک طبقہ کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ وضع حدیث کی صورت
میں نمایاں ہوگا جو وضع حدیث کے پیرایہ میں حدیث کو بے اعتبار ثابت
کر کے گویا اس سے انکار کی دعوت دیگا۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یكون

فی آخر الزمان دجالون کذابون یا

آخر زمانہ میں ایسے دجال و کذاب۔

اچھوٹے اور جھلساتے پیدا ہوں گے۔

تمہارے سامنے ایسی حدیثیں (گھڑ گھڑ کر)

بیان کریں گے جو نہ کبھی تم نے سنی ہوئی

نہ تمہارے آباؤ اجداد نے۔ دیکھو ان سے

بچتے رہنا کہیں تمہیں گمراہ نہ کر دیں۔ اور

مقلاتے فتنہ و فساد نہ بنادیں۔

تو انکم من الاحادیث ما لم تسمعوا

انتم ولا آباءکم وایاکم وایاہم

لا یضلوکم ولا یفتنونکم

(رواہ مسلم)

پس یہ تو ان لوگوں کی اطلاع تھی جنہوں نے حدیث اور بیان قرآن

کو معتبر نہ کر بلکہ اس سے عقیدت کا اظہار کر کے عیاری سے جعلی حدیثیں

گھڑیں اور اصلی حدیثوں میں رلاملا کر شائع کیں تاکہ اصلی حدیث کا

اعتبار اٹھ جائے۔ گویا اقرار کے پیرایہ میں انکار حدیث کیا۔

پھر ایسے لوگوں کے وجود کی بھی حضور نے خبر دی

جو کھلے بندوں حدیث کا انکار کر کے اسے بے اعتبار

منکرین

بنانا اور مٹا دینا چاہیں گے اور اس عیاری کیسا اٹھ کہ قرآن کا نام

لیکر قرآن کی رو سے اس بیان قرآن کو ختم کر دینا چاہیں گے۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرود

رہو کہ مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور اس

کے ساتھ اُسی کا مثل اور بھی دیا گیا ہے

(حدیث) آگاہ رہو کہ ایک پیٹ بھرا

عن المقدام بن معدیکرب قال

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و

سلمہ الا انی اوتیت القرآن ومثلہ

معہ الا یشک رجل شیعائ

علیٰ اثنی عشر ینقول علیکم بهذا القرآن
 فما وجد تحریفہ من حلال فاحلوه
 وما وجد تحریفہ من حرام فحرّوه
 وان ما حرم رسول اللہ کما حرم
 اللہ لا یحل لکم الخمر والاهل
 ولا کل ذی ناب من السباع ولا
 تقطع معاہد الا ان یتغنی
 عنها صاحبها الخ۔

(رواۃ ابوداؤد)

تو نگر قسم کا آدمی سند دیکھ پر بیٹھ کر کہے
 نکاح لوگوں میں قرآن کو مضبوط تھا جو اس
 میں حلال ہے اُسے حلال سمجھو اور جو اس
 میں حرام ہے اسے حرام سمجھو (حدیث کا
 کوئی اعتبار نہیں) حالانکہ (حدیث میں) رسول
 اللہ نے بھی بہت سی چیزوں کو حرام کیا ہے
 جیسے اللہ نے حرام فرمایا ہے۔ دیکھو یا لوگو
 گدھے کا گوشت تمہارے لئے حلال نہیں کھلے
 دانت والے درندے تمہارے لئے حلال
 نہیں کسی معاہدہ کی گری پڑی چیز تمہارے
 لئے حلال نہیں۔ الا یہ کہ تمہاری اطلاع
 کے بعد وہ خود ہی اس سے دستبردار ہو جائے
 وغیرہ۔

اس حدیث نے فتنہ انکار حدیث کا منشاء بھی بتلادیا کہ وہ منکروں کی شسم
 سیری اور پیٹ بھرے ہونے کا کرشمہ ہو گا دنیا کی طرف سے بے فکری ہوگی
 تو دین پر ہاتھ صاف کر نیکی سوچے گی۔

ہرگز نہیں۔ بات اس یہ ہے کہ انسان

کلا ان الا متسان لیطی ان

سرا کا استغنیٰ
سرکش ہو جاتا ہے اور دین کو حقارت سے
ٹھکرا دیتا ہے۔ جب اپنے آپ کو مال و
دولت کی وجہ سے مستغنی دیکھتا ہے (جیسا
کہ امم سابقہ اور خود اس امت کا اس
بارے میں یہی دیرہ رہا ہے۔

پس غور کیا جائے تو وضاعین حدیث و اقص کے نقش قدم پر ہیں جنہوں
نے قرآن کو محرف بتلانے کیلئے ہزاروں حدیثیں وضع کیں اور منکرین حدیث
خارج کے نقش قدم پر ہیں جنہوں نے قرآن کا نام لیکر احادیث کو بے اعتبار
ٹھہرایا۔

یہ تو وہ طبقات تھے جنہوں نے برملا انکار حدیث
یا تحریف الفاظ حدیث کا فتنہ امت میں پھیلایا۔

محرفین

طبقوں کی خبر بھی دی گئی ہے جو الفاظ حدیث کو مان کر اس کی معنویت میں
تحریف کے مرکب ہونے والے تھے چنانچہ احادیث میں ان تحریف معنوی
کرنے والوں کی اطلاع بھی موجود ہے جو قرآن و حدیث کو ثابت مان کر
پھر اس سے آزاد بلکہ اس پر اپنی عقل کو حکمراں سمجھیں گے اور معانی قرآن
و حدیث میں عقل محض اور رائے مجرد سے معنوی تحریف کر کے ان کا نقشہ
بدل دینے کی کوشش کریں گے جس سے امت میں مستقل گروہ بندی کی نو پیدا

ہو جائے گی۔ فرمایا گیا۔

بٹ گئے یہود اکثر فرقوں پر اور بٹ
گئے نصاریٰ بہتر فرقوں پر اور رب جاوے
گی میری امت بہتر فرقوں پر سوائے ایک
فرقہ کے سب جہنمی ہوں گے۔

تفرقت الیہود علیٰ احد وسبعین
فرقة وتفرقت النصاریٰ علی ثنتين
وسبعین فرقة وستفرق امتی
علی ثلث وسبعین فرقة کلہا فی النار
الا واحدة۔

یہ گروہ بندی قرآن و حدیث کے انکار کے نام پر نہیں بلکہ اقرار کے نام پر
ہوئی اور امت میں اصولاً بہتر فرقے بن گئے۔ یہ وہی معنوی تحریف ہے
جو یہود و نصاریٰ کا دھیرہ تھا۔ جس سے ان میں بہتر فرقے پیدا ہو گئے تھے
اور رفتہ رفتہ توراۃ و انجیل کا اصل علم گم ہو گیا۔

یحنون الکھوان مواضعہ و نسوا
خطا ہما ذکر و ابہ
کلمات (دین) کو اپنی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں
اور نصرتیں سے جو یاد کرایا گیا تھا اُسے
بھلا بیٹھے ہیں۔

بہر حال جس طرح قرآن و حدیث کی حفاظت کی ضرورت ہوتے مفسرین
کی انواع پر مطلع کیا گیا کہ کوئی مجسود ہوگا کوئی خلف عادل کوئی منصوبہ علی الحق
وغیرہ ایسے ہی اس حفاظت الہی میں خلل ڈالنے والے عاشقوں، چوروں
اور ڈکیتوں کی انواع پر بھی مطلع کر دیا گیا کہ ان میں سے کوئی دجال ہوگا۔

کوئی کذاب ہوگا اور کوئی پیٹ کا گدھا اور شعبان ہوگا غرض کوئی بیان
 قرآن کے الفاظ کا منکر ہوگا کوئی اس کے معنی کا انکار کرے گا۔ کوئی
 اس کی حجیت سے دستکش ہوگا کوئی اس کی تاریخی حیثیت پر طعنہ زن ہوگا
 اور کوئی سرے سے قرآن ہی کو جعلی دستاویز بتلا کر اس دین سے لوگوں
 کو بیزار بنانے کی ہم سرا انجام دینگا۔ غرض کچھ قرآن کے منکر ہوں گے اور کچھ
 بیان قرآن کے۔ چنانچہ لفظ و معنی اور اصول و قواعد کے ایک ایک
 گوشے سے ان دجالین و کذابین نے حدیث و قرآن کے راستے میں
 رہزنی کی اور جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ قرآن کیساتھ اس کا بیان
 لازم ہے ورنہ خود قرآن ہی باقی نہیں رہ سکتا۔ ان طبقات نے اپنی منہجوں
 اغراض کے ماتحت قرآن کو مٹانے کے لئے اس کے بیان کا مختلف روپوں
 میں انکار کیا۔ لیکن علمائے اُمت اور محدثین شکر اللہ مساعیہم نے فنی طور
 پر جن اصول سے حفاظت حدیث کا فریضہ انجام دے کر حفاظت قرآن کا
 کام کیا انہی اصول سے منکروں کی ان ناپاک مسماعی کے پرچھے اڑادیئے
 جو انکار حدیث کے سلسلہ میں کی گئیں اور ان کی وسیعہ کاریوں کو حجت و
 برہان سے پامال کر کے رکھ دیا

بہر حال اس سلسلہ میں اس حفاظت خداوندی پر قربان ہو جائے
 کہ جہاں قرآن و حدیث کے تحفظ کے یہ وسائل اور جوارح الہی (صفاء و

محدثین، پیدا کئے جنہوں نے حدیث و قرآن کو محفوظ کیا۔ وہیں دشمنانِ حدیث و قرآن اور ان کی چالاکیوں اور انکارِ حدیث کے مختلف روپوں کی بھی پہلے ہی سے خبریں دے دیں تاکہ خدا ہم قرآن و حدیث ان کے مکرو و فریب پر مطلع رہیں اور ان کے دجل و فریب اور کذب و افتراء کے جال میں پھنسنے نہ پائیں۔ یعنی قرآن و بیان کی حفاظت خداوندی کا یہ بھی ایک مستقل شعبہ تھا کہ ان دینی بنیادوں کے چالاک دشمنوں کی اطلاع دے کر دوستوں کو پہلے ہی سے خبردار کر دیا جائے۔

تاہم جس طرح حکومت ملک کی حفاظت کی ذمہ داری لیتی ہے پولیس متعین کرتی ہے۔ کروڑوں روپیہ کا بجٹ

منکرین قرآن و حدیث اور حکمتِ خداوندی

منتظر کرتی ہے اور تعزیرات کے ذریعہ سے چوروں، ڈکیتوں اور ملک میں بد امنی پھیلانے والوں کی سٹراؤں کا اعلان کرتی ہے لیکن اس کے باوجود چور ڈکیت اور رہزن پھر بھی باز نہیں آتے اور اپنی شقاوت باطنی سے قانون کی خلاف ورزیوں کی راہ چل کر رہتے ہیں۔ جیل بھی بھگتتے ہیں۔ سزائیں بھی پاتے ہیں۔ پیٹے بھی جاتے ہیں لیکن رات دن کے جرائم کی عادت کی وجہ سے ان کی عبرت کی آنکھیں پھوٹ جاتی ہیں

نہ وہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں اور اپنے جرائم کے کام میں مستعد رہتے ہیں پس
 علوم اپنے کام (حفاظت ملک) میں لگی رہتی ہے اور یہ جرائم پیشہ طبقہ
 اپنے کام (چوری، دہشتی اور امن سوزی) میں لگا رہتا ہے۔ اسی طرح
 سرکارِ خداوندی نے قرآن و حدیث کی حفاظت کی گارنٹی بھی ملی اُس کے
 لئے محافظین کی پولیس یعنی حفاظ و محدثین بھی مقرر کئے۔ غیب سے ان
 کے روزینے بھی مقرر کئے۔ ان کی مدد کا وعدہ بھی کیا اور حسب وعدہ
 مدد برابر آ بھی رہی ہے۔ رخنہ اندازوں کیلئے اعلان عام بھی ہو رہا
 ہے کہ جو بھی اس قرآن و بیان میں رخنہ اندازی کریگا اس کی سزا یہ اور
 یہ ہوگی لیکن اس کے باوجود جن کے قلوب میں شقاوت ازل ہی سے
 و دغیت کی گئی ہے اور جو اپنی جرائم کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ وہ قرآن
 و حدیث کی تحریف سے نہ کبھی باز آئے۔ نہ آئیں گے کیونکہ کتاب و سنت میں
 ان تا جائز تہ نفقات و تحریفات کی عادت سے ان کی دیدہ عبرت پٹ چکی ہو
 انہیں حق نظر آ سکتا ہے نہ وہ اس کی آواز سن سکتے ہیں پس جس طرح سرکار
 خداوندی توسط علماء امت اپنے حفاظت کے کام میں لگی ہوئی ہے
 باوجودیکہ ان پر دلائل کی بار بھی پڑ رہی ہے وہ بار ہا دلائل حق کے
 گھیروں میں گھر کر بند بھی ہو جاتے ہیں عقل سلیم اور فتون روایت کی منقل
 صحیح کی طرف سے اُن پر جوتیاں بھی پڑ رہی ہیں مگر انہیں روزی ہی انکار

حدیث - وضع حدیث تحریف حدیث اور تمسخر حدیث کی دی گئی ہے جو انہیں بہر حال لینی ہے اور گمراہیوں کے ساتھ مخلوق کی رہنمائی کا کام کرتا ہے۔ پس جس حکمت الہی نے شیطان اور اس کی رختہ اندازوں کو پیدا کر کے دین کی قوتوں کے کھولنے اور مضبوط بنانے کی راہ ڈالی اسی حکمت نے منکرین قرآن اور منکران حدیث اور ان کی سیہ کاریوں کو پیدا کر کے قرآن و حدیث کی قوتوں کے در شکاف کرنے کی راہ پیدا کی ہے۔

خلق الله للمحبين رحمةً وللمنافقين عقاباً
وہجاءاً لقصصہ و تحذیراً

مگر انجام کار نتیجہ یہ ہے کہ ان اشرار و فجار میں سے جس نے بھی دین حق کی ان دونوں دنیاؤں قرآن و حدیث کی قوتوں کے در شکاف چاہا وہی اوندھے منہ گرا اور اس نے منہ کی کھائی یہ منکر طبقے اپنے اپنے محدود وقتوں میں اُبھرے مگر اُبھر کر گرے تو ایسے گرے کہ آج کوئی ان کے نقش قدم کا پتہ دینے والا بھی نہیں مگر قرآن و حدیث اپنی اسی آبِ تاب کیساتھ دنیا کے سامنے چمک رہے ہیں یہی صورت حال منکرین اور ارباب تمسخر و استہزاء کے سامنے بھی آنے والی ہے۔ فانما نسخر منک کہنا تمسخر و فسوف تعلمون۔

قرآن اور پیغمبر کی باہمی نسبت | بہر حال اس اُمت کو دو عظیم اور بے مثال نعمتیں

بطور ہدیہ خداوندی دے گئی ہیں ایک زندہ کتاب اور ایک زندہ نبی
اسلئے کوئی بھی بدیت یا بد فہم ان کے آرے نہیں آسکتا۔ مردہ چیز کو جس
طرح جس کا جی چاہے اول بدل کر دے لیکن زندہ اور وہ بھی قوی و
متین اور ذمہ بردار حفاظت کی چیز کو اول بدل کر دینا تو بجائے خود
ہے اس پر دھول اڑا کر کوئی اسے نگاہوں سے اوجھل بھی نہیں کر سکتا۔

باطل اس کے پاس نہیں آسکتا نہ آگے

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ

سے نہ پیچھے سے وہ حکیم حمید کی طرف سے

وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ

اُترا ہوا (کلام) ہے۔

قرآن حکیم

اور اس کے

بیان کی حفاظت

کا یہ بھی ایک

مترجمین قرآن کیلئے حدیث کی روشنی
اور اردو کے تراجم میں موضوع قرآن کی
حیثیت

عظیم شعبہ ہے کہ بیان قرآن رسالت کی روشنی میں دانا یا ان سنت نے
قرآن کے تراجم کر کے دوسرے اہل قرآن بھی اس پر مطلع کیا تاکہ وہ دینا
کی ہر قوم میں پھیل جائے اور سہولت دنیا کی ہر قوم اس سے استفادہ
کر سکے تاکہ وہ عالمگیر ہو کر عالم کی ہر قوم کے دلیں اُتر جائے اور اس طرح
اس کی عالمگیر حفاظت کا وعدہ خداوندی پورا ہو جائے۔ چنانچہ علمائے

اسلام قرآن کے مترجم کی طرف بھی متوجہ ہوئے اور کمال دیانت و
امانت اور کمال صدق و فراست سے مستند علمائے ملت نے اُس کے
ترجمے مختلف زبانوں میں کئے الامام شاہ ولی اللہ دہلوی نے فارسی
زبان میں اُس کا ترجمہ کیا پھر اُن کے اخلاف رشید میں سے شاہ
رفیع الدین صاحب نے دوسرا ترجمہ کیا اور پھر اُن کے خلف صالح حضرت
شاہ عبد القادر نے اردو میں ترجمہ کیا جو پورا پورا تحت اللفظ ترجمہ اور
بے مثل ترجمہ ہے گو یا قرآن کے ہر حرف اور ہر کلمہ کو اردو میں
اس کی پوری کیفیت و اصلیت کے ساتھ منتقل فرما دینے کی سعی
فرمائی حضرت شیخ الہند سیدنا و مرشدنا مولانا محمود حسن صاحب
قدس سرہ محدث دیوبندی نے اس ترجمہ کے بارے میں اپنے
استاد حضرت قاسم العلوم حجتہ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب
نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند کا مقولہ نقل فرمایا کہ اگر قرآن اردو
میں ناڈل ہوتا تو اس کی عبارت یہی یا اس کے قریب قریب ہوتی
جو حضرت شاہ عبد القادر کے ترجمے کی ہے۔ اس ترجمہ اور اُس
سے متعلقہ تفسیری فوائد (موضع و شران) میں نقل و نقل ہونے
کی وجہ سے کچھ لفظی و شرعی پڑتا گیا چنانچہ ترجمہ اور اس کی توضیح
موضع القرآن کی تعبیرات میں کچھ فروق دیکھے گئے اس لئے ضرورت

تھی کہ اس ترجمہ و تفسیر کا کوئی قدیم سے قدیم نسخہ ہاتھ لگ جائے تو
ان تغیرات مابعد کی اصلاح کی صورت نکل آئے۔

مبارکباد کے مستحق ہیں عالیجناب محترم مولانا قاضی عبدالرحمن صاحب
فاضل دیوبند جنہوں نے بکمال سعی و جانفشانی اس ترجمہ و توضیح کا قدیم
نسخہ حاصل کر کے اسے شائع کرنے کی ہمت فرمائی۔ کوئی شبہ نہیں کہ حفاظت
قرآن و حفاظت بیان کے سلسلے کیلئے حق تعالیٰ نے جن سعید افراد کو چنا ان
میں سے ممدوح کا نام بھی ازل سے اس فہرست میں شامل تھا جس کا آج ظہور
ہو گیا۔ اس لئے میں انھیں اور ان کے رفقاء کار کو اس غیبی انتخاب پر مبارکباد
دیتا ہوں اور ان کے حسب ارشاد و مقدمہ کی یہ چند سطریں ان کی خدمت میں
ارسال کرتا ہوں شاید کہ محافظین قرآن و بیان کی فہرست میں اس نالائق و ناکار
کا نام بھی شامل ہو جائے اور اوراق قرآنی کے ساتھ یہ سیر اوراق بھی نہتی ہو کر کسی
روشنی کا مستحق بن سکے اور ساتھ ہی اس کے اغرہ و احباب اور رفقاء بھی اس
نعمت سے مستفید ہو جائیں۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم

محمد رفیع غفرلہ

ادارہ علوم شرعیہ کی چند دیگر مطبوعات

عظیم الشان قرآن مجید مترجم بدو ترجمہ و محشی بدو حاشیہ
ولی اللہی خاندان کا قدیم خزینہ جدید اور تفصیلی قالب کیساتھ

۱۔ از شاہ عبدالقادر دہلوی رح

ترجمہ ۲۔ از شیخ الہند مولانا محمود الحسن رح

تفاسیر بر حاشیہ ۱۔ تفسیر موضح قرآن از شاہ عبدالقادر دہلوی رح
۲۔ تفسیر شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رح

نوٹ: تفسیر موضح قرآن کو بعض ناشرین نے کانسٹنٹنٹ اور غلط تصرف کے ساتھ طبع کیا تھا اور وہی نقل ہوتا گیا ادارہ نے ۱۳۱۳ھ کا قدیم نسخہ حاصل کر کے اس کے مطابق طباعت کرائی ہے اور شیخ الہند رح کا ترجمہ اور شیخ الاسلام حضرت عثمانی رح کی مکمل تفسیر شامل کر دی اس طرح یہ نسخہ نور علی نور ہو گیا ہے اور دو تراجم و تفاسیر کی دنیا میں اس قابل قدر پیش کش کو بر مکتب خیال کے علماء نے تراجم و تفاسیر میں یکتا تسلیم کیا ہے اس کے شروع میں ایک مقدمہ ضرورت حدیث پر شامل ہے جو علامہ قاری محمد حبیب صاحب نے خاص طور پر لکھا ہے سائز ۲۰ ۲۶

جلد اول کلا تھ و پشتہ چرم حنا شدہ سنہری ڈائی سے مزین 20/-

بائینڈنگ کلا تھ بلا صا سنہری ڈائی سے مزین 17/-

نمونہ مفت طلب فرمائیں

سیر النعمان

امام اعظم ابو حنیفہ کی مستند ترین سوانح حیات

اول و دوم از شبلی نعمانی رح

اس کتاب میں امام اعظم رح کی زندگی کے حالات تفصیلی طور پر آگئے ہیں ہمارے ملک کی اکثریت امام ابو حنیفہ سے تقلید کی نسبت کے ساتھ دین کو سمجھتی ہے کس قدر بد نصیبی کی بات ہوگی کہ ہم مقلد تو امام اعظم رح کے ہوں اور ان کے علمی، عملی، اخلاقی، تمدنی، ثقافتی اور سیاسی کارناموں پر خبر نہیں علامہ شبلی نے اس کتاب کے پہلے حصہ میں حضرت امام رح کی زندگی کے پہلوؤں نام و نسب و ولادت، سن و رشد، تعلیم و تربیت، ان کے مشائخ و اساتذہ حدیث و روایات، مناظرات، احکامات و طباعتی ائمہ و قضا سے انکاز، قید و بند، استقلال و دربار سے تعلقات کو اور دوسرے حصہ میں امام کی تصانیف اور ان کا حافظ الحدیث ہونا فقہی مسائل میں امام موصوف کا مقام فقہ حنفی کا آسان و سہل اور اصول عقلی کے موافق ہونا فن حدیث پر تفصیلی بحث حضرت امام کا حدیث کے مقابلہ میں قیاس کا اعتبار نہ کرنا فقہ حنفی کی دوسرے ائمہ کی فقہوں پر ترجیح، امام صاحب نامور اور ممتاز شاگردوں کے حالات کو مستند خوالوں اور عام فہم عبارتوں سے ایسے دل نشین طرز ادا اور موثر طریقہ پر جمع کر دیا ہے کہ دین کا ایک جامع نقشہ سامنے آ جاتا ہے اولہ نے اس کی کتابت و طباعت اتنی اعلیٰ قسم کی کرائی ہے کہ اب تک اس کتاب کی چھپائی ایسی نہیں ہوئی الفاظ جلی اور کھلے کھلے کاغذ عمدہ سفید سائز ۲۰ ۲۶

۴۴ صفحات جلد عمدہ رنگین و شاندار ڈسٹ کور ہدیہ ۱۰ روپے نمونہ مفت طلب فرمائیں۔

الفاروق

یعنی خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کے مکمل حالات اور انکی دورِ خلافت کی جامع تاریخ

(اول و دوم از شبلی نعمانی ج)

اس کتاب میں فاضل مصنف نے نہایت غرق ریزی اور دماغ سوزی سے فاروق اعظم حضرت عمر ابن الخطابؓ کے مکمل و مفصل اور مستند حالات زندگی کو بیان کیا ہے جن کی ہر دور میں ہر مسلمان کو ضرورت رہتی ہے اور جن کو شمع ہدایت بنائے بغیر دنیا کا کوئی فرمانروا عدل و انصاف کے ساتھ فرمانروائی نہیں کر سکتا غرضیکہ ایک مفلس و قلاش سے لے کر ایک با اختیار جاکم ملک سب ہی کے لئے فاروق اعظم رضی کی زندگی ایک نمونہ اور رحمت عالم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوئے دین کی تفسیر ہے جن پر عمل کرنے سے اخلاق و کردار میں سیرت اور زندگی میں فکر اور عمل میں وہ انقلاب پیدا ہو سکتا ہے جو امت مسلمہ کو پھر حیات نو سے روشناس کر دے نیز اسی کتاب میں شام عراق مصر کی فتوحات کے واقعات دل نشین پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں کہ جن کے مطالعہ سے اسلام کی سیاسی اقدار پر بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عمر رضی کی سیاست، تدبیر عدل اور عہد فاروقی کے طرز حکومت اور ترویج اسلام کے شاندار کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے ادارہ نے اس کتاب کی کتابت ایک بہترین خطاط سے کرائی ہے الفاروق کے اس ایڈیشن میں جو غیر معمولی خوبیاں آگئیں ہیں ادارہ کو اس پر فخر ہے۔

سائز ۲۶x۲۰ صفحات ۳۹۲ جلد عمدہ شاندار رنگین ڈسٹ کور۔ ہدیہ: سات روپے نمونہ مفت طلب فرمائیں

فضائل حج

مصنف

(شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا صاحب مدظلہ)

اردو زبان میں حج پر بے شمار کتابیں شائع ہوئیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ کتاب فضائل حج جن خصوصیات و محاسن کی حامل ہے وہ کسی دوسری کتاب میں نہیں حج زیارت میں جیسی عاشقانہ کیفیات ہیں اس کتاب میں بھی ویسا ہی اثر آفریں اور رقت انگیز طرز ادب ہے اس کی طباعت میں خصوصیت سے اہتمام کیا گیا ہے الفاظ جلی اور الگ الگ کہ بڑی عمر کے آدمی بھی پڑھ سکیں اس کتاب کی طباعت ہندو پاکستان کے بہت سے اداروں سے کرائی گئی ہے مگر جس قدر اثر آفرینی اور افادیت کی وجہ سے یہ کتاب نادر روزگار ہے آج تک اس کی طباعت اس کے شایان شان نہیں ہوئی اس میں دس فصلیں ہیں۔

(۱) حج کی ترغیب (۲) حج نہ کرنے پر وعیدیں (۳) حج کے سفر میں جو مشقت ہے اس کے تحمل پر ثواب۔
(۴) حج کی حقیقت اور اس کی حکمتیں (۵) حج کے آداب (۶) مکہ معظمہ اور حج کے خاص موقعوں کی فضیلت (۷) عمرہ کا بیان (۸) مدینہ منورہ کی حاکمزی (۹) زیارت کے آداب اور زائرین کے چالیس قصے (۱۰) مدینہ منورہ کے فضائل پر نیز خاتمہ میں حج کرنے والے عشاق کی شکر حکایات تحریر ہیں۔

سائز ۲۶x۲۰ صفحات ۳۹۲ جلد عمدہ شاندار رنگین ڈسٹ کور ہدیہ سات روپے نمونہ مفت طلب فرمائیں

مسلمان عورت

عربی تصنیف از علامہ فرید وجدی مصری اردو ترجمہ از مولینا ابوالکلام آزاد مرحوم

پردہ کے موضوع پر ایک قابل قدر پیش کش -
مصر کی تعلیم یافتہ سوسائٹی کے ایک ذی اثر ممبر مسٹر قاسم امین بک نے پردہ کی مخالفت اور آزادی نسوان پر دو
رسالے تحریر المرأة اور المرأة الجديدة شائع کئے تھے جن سے مصر میں ہل چل پچ گئی اور نوجوان طبقہ خصوصیت سے متاثر
ہوا اس کی تردید میں کئی رسالے مصر و بیرون کے علمائے لکھے انہی میں ایک رسالہ المرأة المسلمہ بھی ہے جو مصر کے شہرہ
مصنف علامہ فرید وجدی کی تصنیف ہے فرید وجدی چونکہ یورپ کی مستند زبانوں سے واقفیت رکھتا تھا اور تعلیم
یافتہ سوسائٹی کا ایک فاضل ممبر تھا اس لئے اس نے جو کچھ لکھا محض یورپ کے اقوال و حالات کو پیش نظر رکھ کر لکھا تھا
اس نے ثابت کیا کہ قصر و حلائی کی بنیادیں زندگی ٹھوس حقیقتوں پر قائم ہیں اس لئے ترجم و اصلاح کا سوال ہی پیدا
نہیں ہوتا دلائل کی تفصیل و نوعیت تو آپ اصل کتاب میں دیکھیں گے جو چیز قابل قدر ہے وہ طریق اسلوب ہے
اور کہیں ریک دیا اقتادہ دلائل کو پیش نہیں کیا گیا کتاب مسلمان عورت کو ترجمہ و واقفیت کے اعتبار سے کہیں
ورنہ اس کو علامہ فرید وجدی کی کتاب کا اردو ایڈیشن کہنا چاہئے یہ ترجمہ مولینا ابوالکلام آزاد کی ادبی ساعی اور
تصنیفی صلاحیتوں کا گواہ ہے ہمارے ہاں بھی چونکہ اس قسم کے مباحث پیش ہوتے رہتے ہیں اس لئے پردہ نسوان
پر یہ کتاب پیش کی گئی ہے۔

سائز ۱۲×۲۰ صفحات ۲۵۶ کاغذ عمدہ سفید کتابت و طباعت علی جلد حسین ڈنٹ کور سے مرن قیمت ۵-۳
نمونہ مفت طلب فرمائیں

عکسِ حائل ترجمہ

(زیر طبع)

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رح کے قدیم ترجمہ و حاشیہ موضح قرآن کی الگ
کاپی چھوٹے سائز پر لوگ ہم سے مانگتے ہیں اس قدیم نسخہ کی طباعت شیخ الہند رح کے ترجمہ اور
علامہ عثمانی رح کی تفسیر کے ساتھ ہوگئی ہے متعدد حضرات کے اصرار کے بعد صرف شاہ
عبدالقادر صاحب رح کے ترجمہ اور فوائد موضح قرآن کی طباعت کے لئے کتابت شروع
کرا دی ہے اس متوسط سائز کی جمانل کی چھپائی عکس ہوگی اور سائز ۲۰×۲۶۔ دفا فرمائیں
کہ اللہ تعالیٰ تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔ نمونہ مفت طلب فرمائیں

۱۹ بلے چند فتح چند بلڈنگ * کراچی

مقابل بہار شاہ مارکیٹ بند روڈ

پتہ ۱- ادارہ علوم شرعیہ *



